باب اول

معظّمہ نقوی۔سوانح وشخصیت

سوانح:

فن پارے کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے فن کار کی شخصیت کو سمجھا جائے۔ وہ کسی میں منتظر میں پروان چڑھا۔ کسی ماحول میں تعلیم حاصل کیا۔ معاشرہ بھی شخصیت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ماں باپ، خاندانی فضا اور تہذیب وتمدن بھی اس کی زندگی پر اثر ڈالتے ہیں۔ بعض اوقات ایک فطری منظر اس قدر متاثر کرتا ہے کہ تخلیق کا باعث بن جاتا ہے۔

بیسوی صدی ایک اعتبار سے منفرد صدی تھی۔ اس کا ہر پل ہر گھڑی آ گہی کے نئے منتظر پیدا رہا تھا۔ جس طرح اس صدی میں تبدیلیاں رونما رہی تھی۔

ڈیرہ غازی خان کی مشہور شاعرہ اور مصنفہ سیدہ معظّمہ بتول اس دور کا مشہور چمکتا ہوا ستارا ہیں۔ معظّمہ بتول جنوبی پنجاب کے ڈویژن ڈی جی خان شہر کے محلّہ غازی شیر میں پیدا ہوئیں۔ معظّمہ بتول ڈیرہ غازی خان میں پیدا ہوئیں۔ آپ کا اصل نام معظّمہ نقوی ہے۔ وہ ۱۲ جولائی ۱۹۹۰ء ڈیرہ غازی خان کے شہر محلّہ غازی شہر میں پیدا ہوئیں۔

''میرا نام میرے نانا جان نے تجویز کیا۔ اور میرا قلمی نام معظّمہ نقوی ہے۔'' (۱)

ان کے والد کا نام سید کفایت حسین اور دادا کا نام سید منظور احمد ہے۔ ان کے والد محترم کی اولاد میں سے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ جس میں معظّمہ بتول کا نام صف اول پر ہے۔ معظّمہ بتول جو کہ بہن بھائیوں میں سب سے بڑی ہیں۔ جنہیں بچپن سے ہی شاعری سے لگاؤ تھا۔ ان کے والد صاحب فوٹوگرافی سے منسلک رہے ہیں۔ وہ اپنے والد صاحب کے بارے میں لکھتی ہیں۔

''اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ہم پر ہمیشہ صحت وسلامتی کے ساتھ قائم رکھے۔'' (۲)

معظّمہ بتول کی والدہ صاحبہ ایک سگھڑ گھریلو خاتون ہیں۔ انہیں اپنی والدہ سے بے حد محبت وعقیدت ہے۔ میری والدہ ایک شاندار خاتون ہیں۔ بہت زیادہ پیار کرنے والی بہت زیادہ محنتی اور سب کا درد رکھنے والی خاتون ہیں۔ اپنی والدہ کے بارے میں لکھتی ہیں۔ میرے والد صاحب میری کل کائنات ہیں۔ والد کے بغیر میں بے جان ہوں۔

''میرے والد صاحب فوٹوگرانی سے منسلک ہیں اور میری والدہ ہنر مند گھریلو خاتون ہیں۔'' (۳)

میرے کل دو بھائی اور ایک بہن ہے اور مجھے ملا کر ہم چار بہن بھائی ہیں۔ وہ بھی بہت ملنسار اور بے حد محبت وعقیدت رکھتے ہیں۔ بڑے بھائی ایم فل کر رہے ہیں۔ اور ہوم اکیڈی چلاتے ہیں ساتھ سٹر پرائیویٹ اسکول میں میتھ ٹیچر ہیں۔ چھوٹے بھائی کچیری میں رجسٹری برانچ میں جاب ہے۔

میری پرورش ننھیال میں ہوئی۔ میری والدہ محترم بھی اپنے گھر کی بڑی بیٹی تھی۔ اور میں اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھی۔ جس کی بنا پر میرے ننھیال والوں کو مجھ سے بے پناہ محبت وعقیدت تھی۔ وہ لکھتی ہیں:

''امی بہنوں میں بڑی ہیں۔ میں پہلا بچہ تھا۔ تو مجھ سے ددھیال سے زیادہ نبھال کو سہار ہو گیا اور میری اماں جان نے مجھے اٹھالیا۔'' (۴)

ان کا کہنا ہے کہ اماں جان سے مجھے بے بیان محبت اور عقیدت تھی۔ اپنی نانی جان کو اپنی ذات کی پہلی محبوب مانتی ہیں۔ وہ بھی

ان سے بے پناہ محبت کرتی تھی۔جس طرح نانی جان سے محبت عقیدت تھی اسی طرح نانا جان سے بھی بے پناہ محبت عقیدت تھی۔

میرے نانا جان لازوال ہستی ہیں۔وہ میرے رشتے میں بزرگ محترم لازوال فن وجراتوں کے مالک یدر نانا حضور ہیں۔

ان کا مکمل نام سید مشتاق احمد جعفری ہے۔ان کی تاریخ پیدائش ۱۹۱۹ء، ۴-۱۹ ہے۔پیشہ کے لحاظ سے ایک پینٹر تھے۔آپ کا شجرہ نسب حضور پاک کی آل اظہار سے حضرت علی المرتضی کا بیٹے امام جعفر صادق کے فرزند العراقی سے منسوب ہے۔

''میرے نانا جان سید احمد شاہ جعفری معروف کلاسیکل شاعر سید افضل الحسن المعروف شفقت کاظمی صاحب کے برادر نسبتی ہیں۔'' (۵)

ان کے نانا جان نے اپنی عملی زندگی کا آغاز پندرہ برس کی عمر سے ہی شروع کر لیا تھا۔دنیاوی تعلیم کو مکمل کیا تو آبائی شوق نے آپ کی سوچوں میں ارتعاش پیدا کر دیا۔آپ نے جدید دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے فوٹو گرافر لیبارٹری میں اپنی فن کو پوری طرح ذمہ داری سے آگے بڑھایا۔بطور سنیئر سرکاری خدمات پر معمور ہوگئے۔

یا رب تیری نگاہ کا امیدوار ہوں
تو ہی نام و نصیر ورب غفور ہے
سراسر تیری ذات ہے رحمان و رحیم
میرا ہر ایک جزو سر اپا قصور ہے
(۶)

ان کی پرورش ننھیال میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم اسکول نمبر ۱ ئپ سے حاصل کی۔اعلیٰ ثانوی تعلیم شہر کے قدیم ہائی سکول ملا قائد شاہ سے مکمل کی جبکہ انٹر گورنمنٹ کالج برائے خواتین ڈی جی خان سے کیا۔گریجویشن اور ماسٹرز کی تعلیم کے لیے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کا انتخاب کیا۔تعلیم کے ساتھ مختلف پرائیویٹ اسکولز میں ایڈمنسٹریشن کے فرائض کو بھی بخوبی نبھایا۔

ادبی دنیا میں ۲۰۱۸ء میں متعارف ہوئی۔۲۰۱۹ء فروری میں پہلا انتخاب ''کف دست'' جس کو نہوں نے بہت پہلے ترتیب دیا۔۲۰۲۱ء ستمبر میں مرثیہ وسلام کا انتخاب ''مودت نامہ'' تدوین کیا۔اس کے بارے میں لکھتی ہیں۔

''ان دو تالیفات کا مقصد میں نے اپنی ناقص العقل کے ذریعے یہ سوچا کہ مجھے اپنے بزرگوں کی پیروی میں قدم بڑھانا ہے۔تو میں انھی کے نام سے خود کی پہچان بناؤں کیونکہ میرا فخر میرا وجود اور میری ذات کی شناخت انھی کے دم قدم سے ہے۔رب کائنات نے مجھے اپنی سوچ میں سرخرو فرمایا اور میری اوقات سے بڑھ کر مجھے نوازا ہے۔'' (۷)

۲۰۲۴ء سے ملکی وغیر ملکی اخبارات، رسائل، وجرائد میں جتنی آزاد تحاریر لکھیں ان تمام کو یکجا کر کے جنوری ۲۰۲۳ء میں اپنی پہلی تصنیف ''نوائے نقوی'' منظر عام پر لائی۔

شاعری میں آزاد نظم کو اپنا دتیر بنایا۔اور ''آخری بارش'' کی صورت میں اپنے قارئین کی نذر کی۔اس کے علاوہ غزل، متفرق

اشعار، سلام وقطعات نیز افسانہ نگاری وسرائیکی زبان میں بھی شاعری پر کام جاری ہے۔ڈیرہ غازی خان کی وکی پیڈیا ہسٹری میں نامور شخصیات کی فہرست میں بطور شاعرہ ان کا نام درج ہو چکا ہے۔

''اک آرزو ہے کہ ایسا کام کر جاؤں ادب کے سمندر میں ایک لازوال قطرہ بن کر ہمیشہ کے لیے امر ہو جاؤں۔''(۸)

شخصیت:

ہر انسان ایک الگ شخصیت کا حامل ہوتا ہے۔ہم کسی کی شخصیت سے متاثر تو ہو سکتے ہیں۔مگر پوری طرح اس انسان کی شخصیت کو اپنا نہیں سکتے۔اگر ہم کسی سے متاثر ہو کر اپنی شخصیت کو سنوارتے ہیں تو وہ ہماری اپنی شخصیت ہوگی جو الگ روپ میں ہمارے سامنے آئے گی۔اصل میں شخصیت کیا ہے۔ظاہری حسن اور خوبصورتی ؟ خوبصورت خدوخال؟ نہیں بلکہ وہ جو بیان جو انسان کے عمل سے ظاہر ہو کے ہمارے سامنے آتی ہیں۔

جو ہماری شخصیت کی اصل خوبصورتی ہے۔حسن وسلوک، حسن کردار اور حسن عمل جو دوسرے انسان کو متاثر کرتا ہے۔شخصیت کا حقیقی حصہ ہوتا ہے۔ہل گرڈ کے مطابق:

''شخصیت کردار کی انفرادی خصوصیت کا نام ہے۔جو اپنی تنظیم کے زریعے فرد کی اور اس کے تمام تر ماحول سے منفرد مطابقت کا یقین کرتی ہے۔''(۹)

منفرد شخصیات میں شامل ہونے والی ایک شخصیت جدید دور کی مصنفہ معظّمہ بتول ہیں۔جو ایک منفرد شخصیت کی حامل ہیں۔وہ اپنی ذات میں انجمن ہیں۔وہ ایک مثبت سوچ کی حامل خاتون ہیں۔

دنیا میں بے شمار ادب کے ستارے موجود ہیں۔ان میں ایک نام معظّمہ نقوی کا آتا ہے جن کو کسی بھی تعارف کی ضرورت نہیں۔ان کے تعارف کے لیے ان کا نام ہی کافی ہے۔معظّمہ نقوی کا تعلق ایک عظیم گھرانے سے ہے۔جن کی ادبی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا سے ہے۔

معظّمہ نقوی کا تعلق ضلع ڈی.جی خان سے ہے۔اگر ان کی نجی زندگی کے بارے میں دیکھا جائے۔تو انھوں نے ابتدائی تعلیم سکول نمبرا سے حاصل کی۔چھٹی سے لے کر میٹرک تک ہائی سکول ملا قائد شاہ سے کیا۔اور انٹر سے گریجویشن گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خوانین ڈی.جی خان سے کیا۔کیا۔ایم اے کی تعلیم علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے مکمل کی۔

تعلیم کے ساتھ ساتھ مختلف پرائیویٹ اسکوٹر میں ایڈمنز و ٹیچنگ کے فرائض کو بھی بخوبی نبھایا۔کچھ عرصہ اسٹیٹ لائف انشورنس پالیسی سے منسلک بھی رہیں۔یہاں کی تربیتی پالیسی ورکشاپ بھی مکمل کیا۔مگر شعبہ نہ بنا سکی۔

''میری تعلیم ایم اے اردو ہے اور ہاؤس وائف ہوں کوئی ذریعہ روزگار نہیں ہے۔''(۱۰)

اپنی اماں جان سے انہیں بے پناہ محبت تھی۔معظّمہ نقوی اپنے ننھیال میں رہنے کی وجہ سے اپنی نانی اماں کے بہت قریب تھیں انہوں نے ہی ان کی پرورش کی۔وہ کہتی ہیں کہ

''اپنی اماں جان سے مجھے بے پناہ محبت اور عقیدت ہے۔ ان سے یوں کہہ دوں اگر تو بے جا نہ ہوگا کہ وہ میری ذات کی پہلی محبوب تھی اور وہ بھی مجھ سے بے پناہ محبت کرتی ہیں۔''(۱۱)

ان کی فطرت عام لڑکیوں کی طرح کبھی نہ تھی۔ رنگ برنگے پھڑ کیلے کپڑوں کا کبھی جنون نہ رہا۔ نہ زیورات ودیگر کھلونے جو ہر لڑکی کی کمزوری ہوتے ہیں۔ اگر ان کی توجہ کا کوئی مرکز بنا یا کمزوری سمجھ لیں تو خوبصورت ہیں اور ہر سال کی نئی ڈائریاں یا پھر ہر رنگ کے پھول تھے۔

معظّمہ نقوی کی شخصیت انتہائی نفیس ہے۔ نرم مزاج اور خاموش طبیعت کی مالک ہیں۔ دوست بھی بہت کم بنائے۔ ان کا زیادہ تر وقت گھر اور کتابوں میں گزار۔ زیادہ تر دینی کتابیں پڑھی۔ ان کا کہنا ہے۔

''گھر کا ماحول باپردہ، مذہبی اور سخت تھا۔ سیلبس اور دینی کتب کے علاوہ گھر میں کسی کتاب کا پڑھنا منع تھا۔''(۱۲)

کہتے ہیں اگر خود میں موجود کسی بھی فطری صلاحیت کی نشوونما پر بھر پور توجہ دی جائے تو وہ ناموافق حالات اور وسائل کی کمی کے باوجود بھی اپنے ظہور کے مواقع ڈھونڈ ہی لیتی ہے۔ غیر معمولی جدوجہد اور استقامت ایسے منزل سے قریب کرنے میں معاون ہوتی ہے۔

باقاعدہ طور پر معظّمہ نقوی نے تیرہ سال کی عمر میں اپنی پہلی نظم ''منتظر نگاہیں'' لکھیں۔ پھر اسے اپنی اس وقت کی اکلوتی کو سنائی اس کے بعد جو بھی لکھی اس کو سنائی۔ بوجلد خود کو منظر عام پر لانے کا کوئی سازگار ماحول میسر نہ آسکا اور وقت کے دھارے سب چھوڑ دیا۔ ان کا کہنا ہے۔

''صد شکر مولا پاک کر میرے ہمسفر نے اس معاملے میں مجھے بہت ہمت وحوصلہ دیا۔ ہر حوالے سے میرا ساتھ دیا۔ اور یوں ادب سے عقیدت جنون کا رشتہ مضبوط رہا۔''(۱۳)

معظّمہ قلم ایک ایسی قلم کار ہیں جنھوں نے اپنے عزم واستقامت سے خود میں موجود ہنر کو نا صرف نکھارا بلکہ دنیا ک سامنے پیش کیا۔ اور خود کو صاحب قلم کی حقیقت سے خود کو متعارف کروایا۔ انتہائی کم عمری میں ہی وہ الفاظ واحساس کے ساتھ جذباتی طور پر بند ہوگئی۔ یہ رشتہ کچھ اس طرح جڑا کر نامساعد حالات کے باوجود بھی پر قائم رہا۔ بقول سید نعیم الحسن نقوی:

''مجھے اپنی آفازادی بہن معظّمہ نقوی پر فخر ہے، بہت سنجیدہ باوقار، لکھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ منفرد انداز وبیان کی بدولت ان کی تحاریر سے رکتاہٹ نہیں ہوتی، یقین ہے اس معیار پر قائم رہیں گی۔ دعا گو ہوں میری بہن کو مولا کریم ہمیشہ عزتوں سے نوازے۔''(۱۴)

جس طرح شفقت کاظمی نے ہر قسم کی محرومیوں کے باوجود اپنے آپ کو منوایا۔ اس طرح معظّمہ نقوی بھی ہزاروں شاعرات کی موجودگی میں اپنا نام بنانے میں کامیاب ہوئیں۔ اور ابھی تک ہو رہی ہیں۔

معظّمہ نقوی نے کتنے خوبصورت الفاظ میں اپنے فن کی بات کہہ دی۔

کسی کو محبت کی آس ہے
تم بن کوئی اداس ہے
(۱۵)

کائنات میں پیدا ہونے والا ہر انسان اپنے ساتھ ایک پوٹینشل نامی اور امکانی صلاحیت لے کر پیدا ہوا ہے۔اس کے اندر وہ سبھی کو جو جود ہوتا ہے جس سے وہ اپنی زندگی کو بہتر طرز پر گزار سکے۔ہم میں سے بیشتر لوگ ایک متوسط زندگی یعنی عام سی زندگی گزار کر دنیا سے چلے جاتے ہیں اور کچھ لوگ اپنے اندر موجود فطری صلاحیتوں کو ہاش کر کے خود کو ایک فنکار کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

تخلیقی سفر:

بے شک ہر فنکار کا اپنا اپنا میعار ہوتا ہے۔اور ہر وہ فن قابل قدر ہوتا ہے۔جس سے لوگوں کے جذبات وابستہ ہوں۔ایک فنکار اپنے جذبات کی اس طرح آبیاری کرتا ہے کہ وہ ایک دن اس کی پہچان بن جاتا ہے۔اب تک بے شمار لوگوں نے غیر موافق حالات میں اپنی لگن اور محنت سے اپنے اندار موجود صلاحیت کو نکھارا ہے۔اور اسے ایک فن میں ڈھال کر لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے۔

ادب کی دنیا میں ۲۰۱۸ء میں متعارف ہوئیں۔۲۰۱۹ء فروری میں پہلا انتخاب ''کف دست'' جس کو انہوں نے بہت پہلے ترتیب دیا تھا۔اور منظر عام پر لے آئیں اور اس کے بعد ۲۰۲۱ ستمبر میں مرثیہ وسلام کا انتخاب ''مورت نامہ'' تدوین کیا۔وہ لکھتی ہیں۔

> ''ان دو تالیف کا مقصد میں نے اپنی ناقص الفعل کے ذریعے یوں سوچا کہ مجھے اپنے بزرگوں کی پیروی میں قدم بڑھانا ہے تو میں نے انھی کے نام سے خود کی پہچان بناؤں کیونکہ میرا فخر میرا وجود اور میری ذات کی شناخت انھی کے دم قدم سے ہے۔رب کائنات نے مجھے اپنی اس سوچ میں سرخرو فرمایا۔اور میری اوقات سے بڑھ کر مجھے نوازا۔''(۱۶)

۲۰۱۴ء سے ملکی اور غیر ملکی اخبارات رسائل اور جرائد میں جتنی آزاد اتحاد پر لکھیں ان تمام کو یکجا کر کے جنوری ۲۰۲۳ء میں اپنی تصنیف نور کے نقوی منظر عام پر لائی۔یہ کتاب میری آزاد تخلیقات تحقیقی مضامین،کالم وتبصرہ جات پر مشتمل ہے۔

ادبی رسائل واخبارات سے بطور ادبی رسالا ڈی جی خان سے شائع ہوا۔نوائے نقوی کے عنوان سے کالم کا سفر جاری ہے۔ جس میں مصنوعی محبت،سستی شہرت،ادب کی خستہ حالی عاشقور کا دن نہ ہوتا۔کرونائی دور کا ادب دیگر شامل ہیں۔

انھیں اب تک ۲۰۱۹ء سے لے ۲۰۲۳ء تک ۳۵ سے ۳۶ ایوارڈ اور تعریفی سنداعتزازات مل چکے ہیں۔

سچ ٹائمز میڈیا گروپ ملتان کی جانب سے

۲۰۱۹ء میں سنداعزاز سے نوازا گیا۔

سنداعزاز ۲۰۲۰ء میں پھر نوازا گیا۔

ادبی فاطمہ انٹرنیشنل کی جانب سے واٹس ایپ گروپ کی جانب سے ایوارڈ برائے ادبی خدمات۔

بزم غالب انٹرنیشنل کی جانب سے سند اعزاز و علمی و ادبی خدمات پر نوازا گیا۔

عالمی سند اعزاز برائے ادبی خدمات ۲۰۲۱ء ادبی قافلہ انٹرنیشنل۔

ارمغان ادب کتب ایوارڈ ۲۰۲۲ء مودت نامہ

الوکیل کتاب ۲۰۲۳ء ایوارڈ

نور احمد غازی ایوارڈ

محمد علی فیڈریشن ایوارڈ

شاعری میں آزاد نظم کو وتیرہ بنایا اور ''آخری بارش'' کی صورت میں اپنے قارئین کی نذر کی۔اس کے علاوہ غزل، متفرق اشعار، سلام و قطعات نیز افسانہ نگاری و سرائیکی زبان میں بھی شاعری پر کام جاری ہے۔ان کا کہنا ہے۔

''ڈی.جی خان کی وکی پیڈیا ہسٹری میں نامور شخصیات کی فہرست میں بطور شاعرہ میرا نام درج ہو چکا ہے۔''(۱۷)

تصانیف:

مغطمہ نقوی کی بے شمار تصانیف ہیں۔

کف دست

مورت نامہ

نوائے نقوی

ان کی نظموں کے عنوانات نہایت ہی دلکش ہیں۔ان کی آزاد نظموں میں کہیں کہیں چھوٹی سطریں اور کہیں کہیں بڑی سطریں ملتی ہیں۔انہوں نے اپنی نظموں میں خوبصورت تشبیہات اور خوبصورت استعاروں سے آراستہ کیا ہے۔انھوں نے انگریزی زبان کے کچھ لفظوں سے اپنی نظموں کو آراستہ کیا ہے۔انہیں نظم، آزاد نظم اور اصناف سخن میں بھی طبع آزمائی ہے۔ان کے شعری مجموعے بھی منظر عام پر آ چکے ہیں۔

ماگھ کی رات

کرب اور بے بسی

روپ نگر

نائٹ بلب

chess(انگریزی زبان)

i weal him

Gossip

Nosjalgia

حوالہ جات:

۱۔ معظّمہ نقوی سے راقم کا انٹرویو، ڈیرہ غازی خان، بذریعہ ٹیلی فون، ۹ مارچ ۲۰۲۴ء بوقت ۱۲ بجے دن

۲۔ معظّمہ بتول سے راقم کا انٹرویو، ڈیرہ غازی خان، بذریعہ ٹیلی فون، ۱۵ مارچ ۲۰۲۴ء، بوقت ۲ بجے دن

۳۔ معظّمہ بتول سے راقم کا انٹرویو، ڈیرہ غازی خان، بذریعہ ٹیلی فون، ۱۵ اپریل ۲۰۲۴ء، بوقت ۱۱ بجے دن

۴۔ معظّمہ بتول سے راقم کا انٹرویو، ڈیرہ غازی خان، بذریعہ ٹیلی فون، ۹ مارچ ۲۰۲۴ء، بوقت ۱۲ بجے کے بیس منٹ

۵۔ معظّمہ بتول سے راقم کا انٹرویو، ڈیرہ غازی خان، بذریعہ ٹیلی فون، ۱۵ اپریل ۲۰۲۴ء، بوقت ۱۱ بجے کے تیس منٹ

۶۔ معظّمہ نقوی، ''نوائے نقوی''، پریس فار میس پبلی کیشنز، ص ۳۳

۷۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، پریس فار میس پبلی کیشنز، ص ۱۳

۸۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۱۳

۹۔ Https;\\wikipedia.com

۱۰۔ معظّمہ بتول سے راقم کا انٹرویو، ڈیرہ غازی خان، بذریعہ ٹیلی فون، ۲۰ اپریل ۲۰۲۴ء، بوقت ۱۲ بجے دوپہر

۱۱۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۱۲

۱۲۔ معظّمہ بتول سے راقم کا انٹرویو، ڈیرہ غازی خان، بذریعہ ٹیلی فون، ۲۰ اپریل ۲۰۲۴ء، بوقت ۱۲ بجے کے پندرہ منٹ

۱۳۔ معظّمہ نقوی سے راقم کا انٹرویو، ڈیرہ غازی خان، بذریعہ واٹس ایپ، ۲۲ اپریل ۲۰۲۴ء، بوقت ۱۱ بجے

۱۴۔ Https;\\slam urdu.com

۱۵۔ Https;\\presspropeace.org.uk

۱۶۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۱۳

۱۷۔ معظّمہ بتول سے راقم کا انٹرویو، ڈیرہ غازی خان، بذریعہ واٹس ایپ، ۲۲ اپریل ۲۰۲۴ء، بوقت ۱۱ بجے کے بیس منٹ

باب دوم

اردو نظم کی عمومی روایت

اردو نظم کی عمومی روایت:

شاعری لفظ شعر سے نکلا ہے۔اس کے معنی کسی چیز کے جاننے، پہچاننے اور واقفیت کے ہیں۔شاعری کسی بھی انسان کے لیے احساسات، جذبات اور مشاہدات کی عکاسی کا نام ہے۔ انسان ہر وقت کسی نہ کسی چیز یا قدرت کی تخلیق کردہ اشیاء کے مشاہدے میں مصروف رہتا ہے۔ بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی:

''شاعری جذبات واحساسات کے ارتعاش نام ہے۔۔اس کا اپنا ایک مخصوص آہنگ ہوتا ہے۔شاعر کے ہاں جب کوئی خیال،کوئی جذبہ،کوئی شے ہا منظر تجربے کی صورت اختیار کرتا ہے۔تو وہ سب سے پہلے جذبے کے سانچے میں ڈھلتا ہے۔ جب کسی چیز کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کے ہاں جذبات واحساسات کی کچھ لہریں اٹھتی ہیں۔ان لہروں کو اہم شاعری کا روپ دیتے ہیں۔''(۱)

نعت:

ایسا شعری انداز بیان جس میں رسول اللہ کی تعریف کی گئی ہو۔ایسے نعت کہتے ہیں۔لغت لکھنے والے کو نعت گو شاعر کہتے ہیں۔نعت گو شاعر جب نعت بڑھنے والے کو نعت خواں کہتے۔اردو ادب میں بہت سے شعراء ہیں جنہوں نے اردو نعت میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔جیسے''احمد ندیم قاسمی''۔

حمد:

حمد عربی زبان کا لفظ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کی گئی ہو۔اس کی نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے۔ رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں۔بقول رفیع الدین ہاشمی:

''شاعری اردو کی قدیم ترین صنف ہے۔اتنی ہی پرانی ہے۔جتنی خود اردو شاعری قدیم شعراء کے دیوان مثنوی اور مجموعہ کلام کا آغاز حمد سے ہوتا ہے۔یہ روایت اس قدر پختہ اور گہری تھی کہ ہندو شعراء اور مثنوی نگاروں نے بھی اس سے انحراف نہیں کیا۔ ہر ایوان کی پہلی غزل حمد ہے۔''(۲)

مثنوی:

مثنوی کا لفظ عربی کے لفظ مثنیٰ سے بنا ہے۔مثنوی ایران کی ایجاد ہے۔ فارسی شاعری سے ہی ہندوستان میں آئی۔اردو میں مثنوی کی ابتداء دکن سے ہوئی دکن میں مثنوی نگار نظامی بیدری تھا۔اس دور کے دیگر شعراء میں رستمی، ملا وجہی، قلی قطب شاہ، اس کے ہر مشہور شعراء ہیں ان میں میں میر اثر، میر حسن، میر تقی میرؔ، جرات، دیا شنکر نسیم اور غالب وغیرہ ہیں۔

مرثیہ:

ایسی نظم جس میں کسی کی موت کا رونا، ماتم کرنا۔کسی شخص کی وفات یا شہادت کا حال یا اس کے ساتھ اس کی مصیبتوں کا ذکر کرنا۔

خاص طور پر وہ اشعار جن میں امام حسین اور دوسرے شیدائے کربلا کی مظلومی اور شہادت کے مصائب بیان کیے ہوں۔

قصیدہ:

قصیدہ اس نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی کی مدح میں یعنی تعریف کی جائے۔ یا کسی کی ہجو یعنی برائی کی جائے۔قصیدہ میں کم سے کم پانچ اشعار ہونے چاہیئے۔اور کوئی حد مقرر نہیں ہوئی۔اردو میں سودا، انشاء ذوق، میر داغ اچھے قصائد لکھتے ہیں۔

رباعی:

رباعی عربی کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی چار چار کے ہیں۔شاعرانہ مضمون میں رباعی اس صنف کا نام ہے۔جس میں چار مصرعوں میں ایک مکمل مضمون ادا کیا جائے۔

قطعہ:

قطعہ کے لغوی معنی ٹکڑا کے ہیں۔کم از کم دو شعروں کے مجموعے کو قطعہ کہتے ہیں۔قطعہ کی جمع قطعات ہے۔ ہر شعر کا دوسرا مصرع قافیہ وردیف سے مزین ہوتا ہے۔قطعہ کا ایک وصف خاص حقیقت نگاری ہے۔تقریباً ہر اردو شاعر نے قطعہ میں طبع آزمائی کی ہے۔ غالب حالی، اور اقبال کے قطعات خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ جدید شعراء میں اختر انصاری نے قطعات کہے بعد ازاں احسان دانش، احمد ندیم قاسمی، نے حسین وجمیل قطعات کہے ہیں۔

غزل:

غزل کے لغوی معنی ہے عورتوں سے باتیں کرنا، عورتوں کی باتیں کرنا، ہرن کے منہ سے شکاری کے ڈر کیوجہ سے نکلنے والی آواز کو بھی غزل کہتے ہیں۔غزل شاعری کی ہیت ہی اہم ترین اور مقبول ترین صنف ہے۔غزل کا عربی کا لفظ ہے۔اور اس کے معنی ہیں۔عورتوں سے باتیں کرنا۔حسن وعشق کے موضوعات ہوتے ہیں۔ بقول فراق گورکھپوری:

> ’’غزل انتہاؤں کا ایک ایسا سلسلہ ہے۔(A series of clinances) یعنی حیات وکائنات کے وہ مرکزی حقائق جو انسانی زندگی کو زیادہ سے زیادہ متاثر کرتے ہیں۔ خیالات ومحسوسات بن جانا مناسب ترین موزوں ترین الفاظ انداز بیان میں ان کا صورت بگڑ لینا اس کا نام غزل ہے۔‘‘(۳)

اردو نظم کی عمومی روایت:۔

اردو نظم کی باقاعدہ ابتداء تو سید ولی محمد نظیر اکبر آبادی سے ہوئی تھی لیکن یہ صنف انجمن پنجاب کے قیام کے بعد زیادہ ثروت مند ہوئی۔ بیس ویں صدی کے آغاز اور سرسید محمد خان نے تحریک علی گڑھ سے قبل نظیر ہی ایک ایسا نام تھا جس نے اردو نظم کی صورت میں اردو ادب میں اضافہ کیا۔اردو نظم کی صنف اس وقت زیادہ اہم ہوئی اور قابل قبول ہوئی جب حالی اور آزاد جیسے خالصاً منظومات

کے شعراء نے عام اور چھوٹے چھوٹے موضوعات پر قلم اٹھایا اور نظمیں لکھنا شروع کی۔

شعروشاعری خدمات کے اعتبار کا بہترین زریعہ ہے۔شاعری کا باوزن ہونا اس کی مقبولیت کے لیے ضروری ہے۔وزن اور تجربے کے بغیر شاعری نامکمل ہے۔شعر کا تاثر اور دلکشی کا راز بلاشبہ وزن کے اندر چھپا ہے۔

سرسید احمد خان کی تحریک علی گڑھ ہی نظیر ہی ایک ایسا نام تھا جس نے اردو نظم کی صورت میں اردو ادب میں اضافہ کیا۔وہ ایک ایسا ایسا شاعر تھا۔تھا جس نے اردو ادب کے دامن میں بحر دیں جن سے پہلے اردو شاعری نا آشنا تھی۔

نظیر اکبر آبادی کی نظم کا لگایا ہوا پودا مولانا الطاف حسین حالی اور مولانا محمد حسن آزاد کی آبیاری سے توانا اور غیر بار ہو گیا۔بقول اخلاق دہلوی:

''عروض ایک مشہور فن ہے جس سے اشعار کا وزن یا اس کا موزوں اور ناموزوں ہونا معلوم ہوتا ہے۔''(۴)

نظم عربی زبان کا لفظ ہے۔جس کے معنی پرونا، موتیوں کو نا گے میں پرونا، لڑی بنانا۔کسی خاص مسلسل کے ساتھ اشعار کی صورت میں اظہار خیال کرنے کو نظم کہتے ہیں۔نظم میں موضوعات ایک سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔لیکن یہ سب ایک بنیادی موضوع کے تحت یا اس سے مربوط و منسلک ہوتے ہیں۔نظم ایک مرکزی خیال ہوتا ہے جس کے گرد پوری نظم کا تانا بانا جاتا ہے۔

نظم کی اقسام:۔

۱۔ آزاد نظم

۲۔ پابند نظم

۳۔ معرٰی نظم

آزاد نظم:

قافیہ و ردیف سے آزاد لیکن پابند وزن و بحر پر مبنی شاعری کو آزاد نظم کہتے ہیں۔ردیف اور قافیے کی پابندی کے بغیر وزن ''سر'' اور ''تال'' کے لحاظ کے ساتھ چھوٹے بڑے مصرعوں کے ذریعے نظم پیش کرنا۔موضوع کی قید ہوتی ہے۔مصرعوں کا برابر ہونا ضروری نہیں۔مصرعے میں ارکان کی تعداد مقرر نہیں ہوتی۔ارکان کم یا زیادہ ہوتے ہیں۔آزاد نظم میں خیال اور جذبے کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

پابند نظم:

اس نظم کو کہتے ہیں۔جس میں ردیف قافیہ اور بحر کے مقررہ اوزان کی پابندی کی جاتی ہے۔پابند نظم میں نہ موضوعات کی قید ہوتی ہے اور نہ اشعار کی تعداد شاعر کسی بھی موضوع پر اور کتنی ہی تعداد میں اشعار کہہ سکتا ہے۔بعض شاعروں نے چار چھے اشعار پر مشتمل پابند نظمیں بھی کہی ہیں۔

مصرا ی نظم:

نظم مصرا جسے غیر مقفی نظم، بلا قافیہ نظم یا بعنیک ورس بھی کہا جاتا ہے۔اس شاعری کو کہتے ہیں جس میں قافیہ کا خیال نہیں رکھا جاتا۔اس میں بحراوروزن کی پابندی کی جاتی ہے۔اور قافیہ ضروری نہیں ہوتا۔بقول شمیم احمد:

''حضور اعتبار سے نظم ایک نہایت کنارہ ووسیع اصطلاح ہے۔ یہاں تک کہ غزل کو تفریق کر دیا جائے تو دیگر اضاف مثلاً قصیدہ، مثنوی، مرثیہ اور شہر آشوب درحقیقت نظم ہی کے مختلف موضوعات واسالیب قرار پائیں گئے۔ نظم سے یہاں مردانہ قصیدہ سے نہ مرثیہ نہ مثنوی۔ بلکہ وہ صنف ہے جسے ہم محض ''نظم'' کہتے ہیں۔''(۵)

آزاد نظم کی روایت:۔

شاعری جذبات کے اظہار کا ایک اہم وسیلہ ہے۔کوئی اچھا خیال جب شعر کے ذریعے نہیں کیا جائے تو اس کی پیشکش کے کچھ سانچے ہوتے ہیں۔ جسے کوئی خیال نظم، غزل یا شاعری کی کوئی بھی صنف کے ذریعے پیش کئے جانے والے جذبات کو مواد اور پیشکشی کے سانچے کو ہئیت کہتے ہیں۔آزاد نظم کا حوالہ انگریزی ادبیات ہے۔ یہاں سے پودا مشرق زمین میں کاشت کیا گیا اور اب اس کی شاخیں مرگ و بار لائی ہیں۔

میراں جی، ن۔م راشد، فیض احمد فیض، ظہور نظر اور مجید امجد نظم آزاد کے معتبر نام ہیں۔مجید امجد کی نظم ''آٹو گراف'' کا آخری حصہ۔

میں اجنبی میں بے نشاں
میں پا بہ گل
نہ رفعت مقام ہے، نہ شہرت دوام ہے
یہ لوح دل، یہ لوح دل
نہ اس پر کوئی نقش ہے ،نہ اس پہ کوئی نام ہے
(۶)

دیگر اصناف سخن کی طرح نظم گوئی کی ابتداء بھی دکن سے ہوئی تھی۔ دکن کے مشہور صوفی ''حضرت بندہ نواز گیسو دراز'' جو ''شہباز'' تخلص کرتے تھے۔ان کو اردو کا پہلا نظم گو قرار دیا گیا۔ ہے۔اور ان کی نظم ''چکی نامہ'' کو اردو کی پہلی نظر ہونے کا شرف ملا۔اس دور میں اخلاقیات اور تصوف کے مضمون زیادہ ملتے ہیں۔اسی طرح سے ظفر علی خاں شاعر ہیں۔جس نے اردو نظم کو پروان چڑھایا۔ ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

''ظفر علی خاں شدید ردعمل شاعر تھے۔ان کا قلم مخالفین کے لیے ننگی تلوار کی طرح تھا۔ان کی نظموں میں مہارت حاضرہ کی طرف بامعنی اور پرزور اشارے موجود تھے۔''(۷)

اردو نظم نگاری کی تاریخ وہی ہے۔ جو اردو شاعری کی ہے۔ دکنی شاعری میں بہترین اخلاقی اور صوفیانہ نظمیں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ جو اپنے ہندوستانی عناصر کی اور جمش اظہار کی وجہ سے اردو شاعری کا قیمتی سرمایہ ہے۔

اردو نظم نگاری کی ابتداء دکن میں ہوئی مذہبی اور صوفیانہ نظموں کی شکل میں اردو نظم کے ابتدائی نقوش نظر آئے ہیں۔ دکن کے بہمنی سلطنت نے اردو ادب کی خامی پزیرائی کی۔ عادل شاہی اور قطب شاہی سلطنت نے اردو ادب کے فروغ میں بڑا نمایاں کردار ادا کیا۔قلی قطب شاہ، عبد قطب شاہ، ملاوجہی، عوامی، ابن نشاطی وغیرہ دکن کے مشہور شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں

برہان الدین جانم کی نظموں میں مذہبی تعلیمات اور تصوف کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ حجت البقا، وصیت البادی، بشارت الذکران کی اہم نظمیں ہیں۔ شب برات، عید، برسات۔ اور حسن وعشق وغیرہ کا بیان بڑے دلکشی انداز میں کیا۔ ان کی یہ نظم دیکھیں:

میری سانولی من کو پیاری دِسے
کہ رنگ روپ میں کو نلی ناری دِسے
سہے سب سہیلیاں میں بالی عجب
سروقہ ناری او تاری دِسے

(۸)

آزاد نظم کے بارے میں مغرب میں طرح طرح کے خیالات پیش کئے گئے ہے کہ فرانس کے نظم نگار جی کان کا خیال ہے کہ آزاد نظم کی بنیاد ایسی اکائی ہے۔ جس میں صوتی اور معنوی وقفے ہوں۔ ہربرٹ ریڈ کا کہنا ہے:

''اوزان اور بحور کی باقاعدگی کانعم البدل مناسب اور توازن کا عنصر ہے۔''(۹)

آزاد نظم میں قدیم عروفی اصولوں سے بغاوت ہے۔ اور نئے فطری آہنگ کی تعمیر ہے۔ انگریزی میں آزاد مسلم لکھنے کے لئے ارکان کی تربیت کے قدیم اصولوں کی خبر باد گیا ہے۔ اور آواز کے اتار چڑھاؤ پر زور دیا گیا۔ لیکن اردو میں آزاد نظم کے بحر سے تو آزاد ہوئی لیکن وزن سے آزاد نہیں ہوسکی۔ اور کسی نہ کسی بحر کے ارکان کی مختلف ترتیب سے آزاد تم نظم تشکیل پائی۔

بعد کے شعراء نے آزاد نظم میں جدت پیدا کی۔ اور اس کی تکنیک میں تجربے کئے۔ آزاد نظم کی ایک تکنیک وہ ہے جس میں مصرٰی اور مقفیٰ نظم کی جھلک پائی جائے۔ فیض احمد فیض، میراں جی اور ن۔ م راشد کے ہاں اس قسم کی آزاد نظمیں پائی جاتی ہیں۔ جن میں مصرٰی اور مقفیٰ نظم کے عناصر بھی یکجا ہوگئے ہیں۔ فیض کی نظم ''تم میرے پاس رہو'':

تم میرے پاس رہو
میرے قائل مرے دلدار میرے پاس رہو
جس گھڑی رات چلے
آسمانوں کا لہو پی کے سیہ رات چلے

مریم مشک لئے نشتر الماس لئے
بین کرتی ہنستی ہوئی گائی نکلے
ردد کے کامنی با زیب بجائی نکلے
(۱۰)

میراں جی اور دیگر نظم نگاروں نے آزاد نظم میں علامت نگاری کو بھی فروغ دیا۔ کسی لفظ کو علامت بننے میں کافی وقت درکار ہوتا ہے۔ تاہم اردو شاعری میں نئی و پرانی علامتیں تشکیل پائیں اور انہیں بخوبی برتا بھی گیا۔ میراں جی نے اپنی نظم ''سمندر کا بلاوا'' یا سمندر کو ایک حال یا موت کی علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔

آزاد نظم کی روایت کافی قدم رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آزاد نظم کی ابتداء آثار بائیبل میں شامل ''نعمان سلیمانی'' اور ''زبور'' کے انگریزی تراجم میں ملتے ہیں۔ انیسویں صدی میں فرانس اور انگریزی ادب میں آزاد نظم کو برتا گیا۔ اردو نظم میں آزاد نظم کی روایت انگریزی شاعروں کے توسط سے آئی۔ اردو کے مشہور شاعر ناول نگار اور صحافی عبدالحلیم شرر نے سب سے پہلے آزاد نظم کو برتا۔ انہوں نے جو ڈرامے لکھے وہ آزاد نظم کی تکنیک سے میل کھاتے ہیں۔

آزاد نظم کا پہلا تجربہ فرانس میں درس کے نام سے کیا گیا تھا۔ اس کے تحت غیر مساوی مصرعوں پر مشتمل نظمیں کہی گئیں۔ غیر مساوی مصرعوں پر مشتمل انگریزی میں اسے فری ورس کا نام دیا گیا۔

آزاد نظم کا تصور جو انگریزی اور فرانسیسی ادبیات میں ہے۔ اردو میں ان معنوں میں نہیں بلکہ اس کی بنیاد بھی اردو شاعری میں مروج روایتی عروض پر رکھی گئی۔ آزاد نظم وہ ہے جس میں مختلف ارکان کی کمی پیشی سے شعر میں ایک خاص قسم کے آہنگ اور ترنم پیدا کیا جاتا ہے۔

اردو ہی آزاد نظم کے شعراء میں تصدق حسین خالد، میراں جی، ن۔م راشد۔ فیض احمد فیض، سردار جعفر، مخدوم محی الدین، اختر ایمان اور قاضی سلیم کے نام اہم ہیں۔ مخدوم محی الدین کی نظم ''چاند تاروں کا بن'' اور ن۔م راشد کی ''زندگی سے ڈرتے ہو'' آزاد نظم کی عمدہ مثالیں ہیں۔ نظم چاند تاروں کا بن سے بند ملاحظہ ہیں:

موم کی طرح جلتے رہے ہم شہدوں کے تن
رات بھر جھلملاتی رہی شمع صبح وطن
رات بھر جگمگاتا رہا چاند تاروں کا بن
تشنگی تھی مگر
تشنگی میں بھی سرشار تھے
پیاسی آنکھوں کے خالی کٹورے لیے
منتظر مرد و زن

مستیاں ختم ، مد ہوشیاں ختم تھیں،ختم تھا بانکپن

(۱۱)

شمالی ہند میں اردو نظم نگاری کی ابتداء سترھیوں صدی میں ہوئی۔محمد افضل اور جعفر زٹلی کے یہاں اردو نظم کے ابتدائی نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔

جعفر زٹلی اس عہد کا اہم شاعر ہے۔جعفر زٹلی اپنے پھکڑ داپن اور فحش کلامی کی وجہ سے مشہور ہے۔جعفر زٹلی نے طنز پر اور ہجو یہ شاعری کی ایک روایت قائم کی۔اس عہد کے زوال اور انحطاط کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔جعفر زٹلی نے اپنے کلام کے ذریعے اور پر گہرا طنز کیا۔ڈاکٹر محمد حسین لکھتے ہیں:

''جعفر زٹلی کا کلام اس دور کی ناہمواریوں اور بے صنابلگی پر طنز کی حیثیت رکھتا ہے۔''(۱۲)

اٹھارویں صدی میں اردو شاعری کا ایک اہم دور شروع ہوا۔نواب صدرالدین،محمد خان جائز اور شاہ ظہورالدین حاتم کے دور میں اردو نظم کوئیت فروغ حاصل ہوا۔فائز نے مختلف عنوانات پر مختلف نظمیں بھی لکھی۔بقول مسعود حسن:

''جس طرح جائز ہماری موجود معلومات کی بنا پر دہلی کے پہلے غزل گو قرار پاتے ہیں اسی طرح وہ دہلی کے پہلے اردو نظم گو بھی ٹھہرتے ہیں۔''(۱۳)

اس عہد کے شعراء میں شاہ ظہورالدین حاتم کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ان کے یہاں کثیر تعداد میں نظمیں موجود ہیں۔ان کے موضوعات میں بڑی وسعت اور رنگا رنگی پائی جاتی ہے۔ان کی نظموں میں حمد و نعت،حقہ،قہوہ،نیرنگی زمانہ،حال دل وغیرہ بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔بقول محی الدین قادری:

''حاتم کو ایک نظم گو شاعر کی حیثیت سے بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔میر اور سودا اس قبل شمالی ہندی کے جس شاعر کے کلام میں مسلسل نظموں کے وافر نمونے ملتے ہیں وہ حاتم ہی ہیں۔ان کے ہم عصروں میں ناجؔی اور آبرؔو نے بھی مسلسل نظمیں لکھیں لیکن ان موضوعات اتنے وسیع نہیں تھے جتنے حاتم کے تھے اور نہ ان کی نظمیں اتنی کثیر تعداد میں موجود ہیں۔''(۱۴)

اس عہد میں بعض دوسرے شاعروں کے یہاں بھی نظم کے منونے ملتے ہیں۔جس سے اس کی زبان و بیان اور قادرالکلامی کا اندارہ ہوتا ہے۔اس دور کے بعد اردو شاعر اور نظم نگاری کا وہ دور آتا ہے۔جیسے ہم میر اور سودا کا دور کہتے ہیں۔ان کی مثنویوں ،قطعات،ہجو اور شہر آشوب کو انا کی روایتی نظمیں کیا جائے گا۔

اس عہد میں نظم کے حوالے سے نظیر اکبر آبادی کا کوئی مد مقابل نظر نہیں آتا۔نظیر کی شاعری اس عہد کے مجموعی مزاج سے بالکل الگ ایک نئی روایت قائم کرتی ہے۔بقول احتشام حسین:

''اس سلسلہ کی تکمیل ہی نہیں بلکہ ایک نئی روایت کی ابتداء بھی نظیر اکبر آبادی سے ہوجاتی ہے۔جنھوں نے نظم نگاری کو غزل گوئی پر ترجیح دی اور نظموں ہی کو اپنی شخصیت اور اپنے عہد کی ترجمانی کا ذریعہ قرار دیا۔ان کی غزل

گوئی بڑی حد تک روایتی اور رسمی ہے۔لیکن نظمیں اچانک زندگی کی لاتعداد راہیں روشن کر دیتی ہیں۔انھوں نے عشق ،مذہب،موسم،تہوار،کھیل کود،تفریحات،فلسفہ حیات،ومرگ،تغیرات زمانہ،بچپن،جوانی،بڑھاپا،افلاس ،امارات ہر موضوع پر نظمیں لکھیں۔''(۱۵)

نظیر اکبرآبادی موضوعاتی نظموں کے حوالے سے جانے جاتے ہیں۔نظیر نے اپنی نظموں میں عوام کے معاملات اور طنز ہ ظرافت پر توجہ دی۔جس کی بنا پر انھیں عوامی شاعر کا لقب دیا گیا۔ان کے ہاں زندگی کے مختلف موضوعات پر نظمیں ملتی ہیں۔سمبل نگار لکھتی ہیں:

''اکبر نے شاعری کا آغاز سنجیدہ کلام سے کیا تھا جلد ہی انھوں نے بہامی شاعر کا منصب اختیار کر لیا تھا۔انھوں نے قدم روشن کی چاہیت اور جدید تہذیب کی مخالفت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا۔''(۱۶)

دراصل نظیر کی شاعری کو کسی دائرے میں قید نہیں کیا جا سکتا۔انہوں نے عوامی موضوعات کو عوامی زبان میں اس خوش اسلوبی سے پیش کیا کہ ان کی شاعری لوگوں کی زبان بن گئی۔

۱۸۳۰ء میں نظیر کا انتقال ہوا اس کے بعد عرصے تک نظم کی دنیا سوتی رہی۔ہاں اسی درمیان بعض شعراء کے یہاں نظم نگاری کی جانب کوشش ملتی ہے۔اس سلسلے میں احتشام حسین لکھتے ہیں۔بقول احتشام حسن:

''انشاء کی بعض نظمیں بھی اپنے ندرت بیان کے لحاظ سے سے خاصے کی چیز کہی جا سکتی ہیں۔غالب کی چکنی ڈلی، ہستی دوٹی اور آرام کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکا۔۔۔۔۔لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک علیحدہ صنف کی حیثیت سے نظم کو پوری طرح پھلنے پھولنے کے لیے اس دور جدید کا انتظار کرنا پڑا جس نے انیسویں صدی کے وسط میں زندگی کی بنیادوں میں اندر ہی پیدا کر دی ہے۔''(۱۷)

۱۸۵۷ء میں ہندوستان پر انگریزوں کے مکمل تسلط کے بعد حکومت اور عوام کے درمیان رابطے کے لیے کئی شہروں میں انجمنیں قائم کی گئی۔ان کے مقاصد میں علوم وفنون کی ترویج و اشاعت بھی تھا۔۲۱ جنوری ۱۸۶۵ء کو انجمن اشاعت مطالب مفیدہ پنجاب کا قیام عمل میں آیا۔یہی انجمن ''انجمن پنجاب'' کے نام سے مقبول ہوئی۔محمد حسین آزاد اس انجمن سے وابستہ تھے۔۳۰ مئی ۱۸۷۴ء میں کرنل بالرائڈ کی سرپرستی میں موضوع مشاعرہ منعقد ہوا۔جس میں مصرع کی بجائے موضوعاتی نظمیں پڑھی گئی۔اس کے تحت موضوعاتی مشاعرے ہوئے۔پھر یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔انجمن پنجاب کے اس رجحان کی بنیاد پر جدید نظمیہ شاعری کی عمارت تعمیر ہوتی رہتی۔

اگرچہ مشاعروں کا یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا لیکن نظم نگاری کی انھیں کوششوں سے اردو نظم نگاری کے نئے دور کا آغاز ہوا۔چنانچہ محمد حسین آزاد نے اور مولانا الطاف حسین حالی نظم نگاری محمد حسین کی تحریک کے روح رواں قرار پائے۔اس موضوعاتی مشاعرنے کے اثرات اردو نظم نظاری بر بہت گہرے مرتب ہوئے۔بقول عبدالقادر سردی:

''آزاد کا رتبہ اردو شاعری میں وہی ہے جو اسکاٹ کا انگریزی شاعری ہے۔''(۱۸)

انجمن پنجاب میں کل دس مشاعرے منعقد ہوئے۔اور بے شمار نظمیں بڑھیں۔آزاد نے ہر مشاعرے میں شرکت کی۔حالی بھی تمام مشاعروں میں ساتھ ساتھ رہے۔آزاد نے پہلے شمارے ہیں جو نظم سنائی ایک اشعار ملاخطہ ہیں:

بوندوں میں جھومتی وہ درختوں کی ڈالیاں
اور ہر کیا ریوں میں وہ پھولوں کی لالیاں
وہ ٹہنیوں میں پانی کے قطرے ڈھک رہے
وہ کیا ریاں بھری ہوئی تھالے چمک رہے
آپ رواں کا نالیوں میں لہو مارنا

(۱۹)

نظم نگاری کے حوالے سے آزاد کی کوشش بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔انہوں نے کافیہ اور ردیف سے آزاد نظمیں بھی کیں۔ آزاد کی نظمیں ان کے زمانے میں ''نیچرل شاعری'' کے نام سے یاد ہیں۔انجمن پنجاب میں بھی نیچرل شاعری کا رواج عام ہوا۔جس کو سرسید نے بھی پسند کیا۔اور اس میدان میں مزید ترقی کے لیے آزاد کی حوصلہ افزائی بھی کی۔ایک خط میں لکھتے ہیں۔بقول سرسید احمد خاں:

''میں مدت سے جانتا ہوں کہ ہمارے شعراء نیچر کے حالات کے بیان پر متوجہ ہوں۔آپ کی مثنوی ''خواب امن'' پہنچی بہت دل خوش ہوا اور حقیقت شاعری اور زورسخن وری کی داد دی ہے۔اب بھی اس میں خیالی باتیں بہت ہیں۔اپنے کلام کو اور زیادہ نیچر کی طرف مائل کرو جس قدر کلام نیچر کی طرف مائل ہوگا اتنا ہی مزہ دے گا۔ اب لوگوں کے طعنوں سے مت ڈرو ضروری ہے کہ انگریز شاعروں کے خیالات لے کر اردو زبان میں ادا کئے جائیں۔''(۲۰)

مولانا حالی کو اردو کے نیچرل شاعر کا درجہ دے کر عام طور پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ حالی نے صرف فطرت پر مبنی پر نظمیں لکھی ہیں۔حالی ایک ایسے نظم گو شاعر ہیں جنہوں نے نظم موضوعات کو نیا انداز دیا۔حالی کی نظم نگاری ان کی شہرت کا سبب بنی۔حالی نے انگریزی نظموں کے منظوم ترجمہ کیے ہیں۔حالی کی غزل چاشنی،سادگی اور فضائی کے اعتبار سے منفرد ہے۔سیاسی سماجی اور اخلاقی مسائل ان کی شاعری کے اہم موضوعات ہیں۔بلاشبہ اردو میں قومی اور وطنی شاعری کی روایت کا آغاز حالی کی نظم گوئی سے ہوا۔

مولانا الطاف حسین حالی انجمن پنجاب کے زیر اہتمام چار یادگار نظمیں لکھی۔جن میں برکھارت،امید،مناظرہ،رحم وانصاف اور حب وطن شامل ہیں۔حالی نے ایک طویل نظم مدو جزر اسلام مسدس کی مشکل میں لکھی جس کے بارے میں سرسید احمد خان لکھتے ہیں۔بقول سرسید احمد خان:

''قیامت کے دن جب خدا پوچھے گا کے تو دنیا سے کیا لایا ہے تو میں کہوں گا کہ حال سے مسدس لکھوا کر لایا ہوں۔''(۲۱)

آزاداور حالی کے معاصرین میں اکبرآبادی اوراسماعیل میرٹھی بھی نمایاں شعراء کی حیثیت رکھتے ہیں۔اردو کی جدید شاعری کے کاروان کو آگے بڑھاتے میں ان شعراء کا اہم کردار رول رہا ہے۔آزاداور حالی کے بعد اکبرآلاآبادی کو بھی جدید شاعری میں نمایاں حیثیت ملی۔

اسماعیل میرٹھی بھی جدید شاعری میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔انہوں نے نظم،غزل،قصیدہ،مثنوی اور رباعی پر طبع آزمائی کی۔ان کی شناخت اردو شاعری میں نظم گو کی حیثیت سے زیادہ نمایاں ہیں۔حامد حسن قادری نے انہیں بیسویں صدی کا بہترین شاعر کہا۔بقول حامد حسن قادری:

''نظم جدید کی اس تحریک اوراشاعت کا مولوی محمد حسین آزاداور خواجہ الطاف حسین حالی کے سر سہرا ہے۔۱۸۷۴ء عیسوی سے اردو میں یہ مستقل صنف شاعری شروع ہوگئی۔حالؔی اور آزاؔد کے ہم عصر انیسویں صدی کے بہترین شاعر مولوی محمد اسماعیل میرٹھی ہیں جن کی نظمیں محاسن شاعری میں آزاؔداور حالؔی دونوں سے بہتر ہیں۔''(۲۲)

اسماعیل میرٹھی بچوں کے شاعر کی حیثیت سے منفرداور ممتاز مقام رکھتے ہیں۔انہوں نے بچوں کے لیے ریڈس اور نصابی کتابیں بھی تصنیف کی۔ان کی عادات وخصائل نفسیات وجزبات کو اچھے سے جانتے ہیں۔انہوں نے اپنی نظموں میں علمی خیالات کو بہت عمدگی کے ساتھ پیش کیا۔ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

''اسماعیل میرٹھی کی نظمیں رسیائی حقیقت رکھتی ہیں۔یہ اور حالی پہلے شخص تھے جو اردو کے قدیم رنگ کو بدل کر اس مغربی انداز پر گئے۔''(۲۳)

بیسویں صدی میں نظم کو بہت زیادہ اہمیت اور مقام مرتبہ ملا۔اس کا سہرا اسماعیل میرٹھی کے سر ہے۔میرٹھی کے سر ہے۔ان کی نظموں میں تاروں بھری رات اور چڑیا کے بچے شامل ہیں۔اشعار ملاخطہ ہیں:

دوتین چھوٹے بچے چڑیا کے گھونسلے میں
چپ چاپ لگ رہے ہیں سہنے سے اپنی ماں کے
چڑیا نے ماتا سے پھیلا کے دونوں بازو
اپنے پروں کے اندر بچوں کو ڈھک لیا ہے
(۲۴)

س کے علاوہ اردو نظم میں چکبست کا نام بھی ایک مقام اور مرتبہ رکھتا ہے۔عام طور پر ان کی شاعری لکھنے کا انداز بے حد سادہ اور مختصر،دلچسپ اور پرُمعنی ہوتا ہے۔ان کی شاعری میں جب وطن اور فطرت کی منظر نگاری دیکھتے کو ملتی ہے۔ان کی نظموں میں حب الوطنی کا عکس جھلکتا ہے۔

ان کی نظموں کے مجموعے کو''صبح وطن'' کہا جاتا ہیں۔وہ کتاب پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ان میں غزلیں،قطعات، رباعیات،مرثیہ وغیرہ موجود ہیں۔اس لیے انہوں نے اپنی شاعرانہ صلاحیت کو قومی اور حب الوطنی کے جذبات سے معمور نظم

گوئی پر مرکوز کردی اسی طرح اُردو شاعری پر اپنا ایک دائمی نقش نسبت کیا۔ اثر لکھنوی نے لکھا:

''صرف چکبست ہی وہ قومی شاعر ہے۔ جس نے کل ہندوستان کے جذبات ونظریات کی بلا امتیاز تفریق مذہب ترجمانی کی ہے۔''(۲۵)

بیسویں صدی کے شعر و ادب میں رومانوی رجحانات بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ لیکن بعد میں آنے والے نظم نگاروں میں اقبال، جوش اور اختر شیرانی کے ہاں اس رجحان کا احساس شدت سے محسوس ہوتا ہے۔ اس کے بعد جدید اردو نظم کی تحریک میں اقبال کا ذکر ملتا ہے۔ وہ زہب کی تقسیم کے خلاف تھے۔ انھوں نے مذہب کی بنیاد پر ہندو، عیسائی، سکھ اور اور مسلم ان سب کے فرق کو ختم کر دینے کا درس دیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو حل جل کر رہنے کا درس دیا۔ اس حوالہ سے نظم ''نیا شوالہ'' بہترین نظم ہے۔

ہجر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے
(۲۶)

ان کی نظموں میں خارجی اور داخلی زندگی کو بیان کیا۔ وہ انسان کائنات کے شاعر ہیں۔ وطنی اور قومی شاعر میں انہوں نے حب الوطنی کے جذبات ابھارنے کی کوشش کی ہے۔

اقبال کے پہلے شعری مجموعے ''بانگ درا'' حسن و فطرت سے دلچسپی اور حب الوطنی کے جذبات نمایاں نظر آتے ہیں۔ ''شکوہ'' اقبال کی پہلی طویل نظم ہے۔ نظم ''شکوہ'' بے حد مقبول ہوئی۔ اس کے بعد اقبال نے خواب شکوہ لکھی۔ یہ نظم بیانیہ انداز کی ہے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر
(۲۷)

دیگر رومانوی شعراء کی طرح اختر شیرانی کی نظمیں بھی تخیل اور جذبات کی فروانی ملتی ہے۔ وہ کبھی جنت سے زمین پر بہاریں بچھنے کی گزارش کرنے میں کبھی آسمان سے اپنے ستاروں کو زمین پر بچھانے کی گزارش کرتے ہیں۔ وہ کبھی فطرت سے درخواست کرتے ہیں کہ بادل کے ٹکڑوں کو رقص کا حکم دے۔ نظم ''انتظار'' میں کہتے ہیں:

زمین پر بچھا بیج دے آج اے بشیت اپنی پیاروں کو
بچھادے خاک پر اے آسمان اپنے تاروں کو
خرام و رقص کارے حکم فطرت ابر یاروں کو
وہ خود چاند کی نظروں سے گھبرائے کی وادی میں
سنا ہے میری سلمی رات کو آئے گئ وادی میں

ان کی شاعری کا بیشتر حصہ عشق اور واردات عشق پر مبنی ہے۔انہوں نے وطن دوستی ،قوم پرستی اور فطرت نگاری پر بھی توجہ دی ہے۔بقول انور سدید:

''اختر نے نہ صرف رومانوی تحریک کو بلکہ اردو نظم کو بھی کروٹ دی۔'' (۲۹)

اختر شیرانی نے اپنی نظموں میں ''اے عشق کہیں لے چل''،'' آج کی رات'' اور ''انتظار'' میں انفرادیت کو برقرار رکھا۔

رومانوی تحریک ہیں جوش ملیح آبادی کا نام بہت مقبول ومعروف ہے۔جوش کی شہرت کا باعث ان کی نظمیں ہیں۔ان کے کلام کے ۲۰ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔جس میں روح ادب، نقش ونگار، شعلہ وشبنم، آیت ونغمات، عروش وفرش، دیوان گویا، جنون وحکمت، وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔جوش کی عشقیہ شاعری جو کہ ان کی فطرت کی آواز ہے۔اس لئے اس میں بہت سرشاری اور سرمستی ملتی ہے۔

ان کا عشق لمحاتی اور حسن سے ان کا رشتہ وقتی ہوتے۔جوش اپنی نظموں کا تانا بانا بڑے خوبصورت انداز میں اور دلکش نفسیات سے تیار کرتے ہیں۔لیکن ہم جوش کی عشقیہ شاعری کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ان کے ہاں حسن عشق کا تصور بھی ملتا ہے۔انہوں نے سماجی قدروں کو محفوظ رکھتے ہوئے نظمیں لکھیں اور بے پناہ شہرت حاصل کیا۔انہوں نے جذباتی پہلوؤں پر اعلیٰ درجہ کی نظمیں ملتی ہیں۔ان کی نظمیں خالص فطرت پر مبنی کا مظہر ہیں۔بقول حکیم الدین احمد:

'' جوش اس راہ میں سب سے آگے نکل جاتے ہیں۔ ان کی آنکھیں دیکھتی ہیں۔ جزئیات پر بھی نگاہ پڑتی ہے۔'' (۲۹)

ترقی پسند تحریک میں فیض احمد فیض کا ذکر بھی بڑے نمائندوں شاعروں میں ہوتا ہے۔ان کی پہلی نظم ''معصوم قاتل'' گورنمنٹ کالج لاہور کی میگزین میں ۱۹۲۹ء میں شائع ہوئی۔ان کا پہلا شعری مجموعہ ''نقش فریادی'' ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا تھا۔فیض بیسویں صدی کے ان خوش قسمت شعراء میں سے ہیں جنھیں زندگی ہی میں بے پناہ شہرت ومقبولیت اور عظمت ومحبت ملی۔

جب ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوا تو فیض اسکے بانی اراکین میں شامل ہو گئے۔رومان سے حقیقت کی طرف سفر نے فیض کو ایک انقلابی شاعر بنا دیا۔فیض کا سامنا زندگی کے نئے دور میں سیاسی سماجی مسائل سے ہوا۔فیض اس بات میں یقین رکھتے ہیں کہ جب رومان وانقلاب ایک شاعر کے فن اور ذات میں ڈھل جائے تو ترقی پسند شاعری پیدا ہوئی ہے۔فیض صرف انقلاب کا نعرہ بلند کر کے کشت وخون کی دعوت دیتے نظر آتے ہیں بلکہ وہ نرم اور کومل الفاظ میں ہمیں انقلاب کے راستے سے روشناس کرواتے ہیں۔

وہ رومانویت کی فضا سے نکل کر تلخ حقیقتوں کا مشاہدہ کرنے لگے اور ترقی پسند تحریک سے منسلک ہو گئے۔''مجھ سے پہلی کی محبت میرے محبوب نہ مانگ'' اس نظم میں رومان اور حقیقت کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔

مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ
میں تو سمجھا تھا کہ تو ہے تو درخشاں حیات

تیراغم ہے تو غم دہر کا جھگڑا کیا ہے
تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کا ثبات
(۳۰)

ترقی پسند تحریک کے علمبرداروں میں ایک نام سردار علی جعفری کا نام بھی بہت ،مقبول اور مشہور ہے۔سردار جعفری تاریخ ادب اردو میں اپنے منفرد، انقلابی اور جرات مندلب لہجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔انھوں نے انقلاب روس بغاوت اور بغاوت جشن وغیرہ جیسے موضوعات پر نظمیں لکھیں۔

ترقی پسندتحریکوں میں اگر شاعروں کی بات کرتے ہیں تو ساحرلدھیانوی کا نام بھی بڑے علمبرداراوراہمیت کا حامل ہے۔ان کے نزدیک زندگی سے بڑھ کر کوئی حقیقت نہیں۔ وہ رومائیت کو چھوڑ کر حقیقت نگاری پر بات کرتے ہیں۔ ساحرلدھیانوی کو نہ صرف نظموں،غزلوں کی مدد سے اپنا آپ کو متعارف کروایااوراپنی قلم کواجاگر کیا بلکہ ترقی پسند تحریک میں حقیقت کوبھی مناظر پر پیش کر کے ترقی پسندانہ خیالات کولوگوں تک پہنچایا۔

دیکھو دھرتی کا نپ رہی ہے
گرد پیرے ڈھائپ رہی ہے
کشت کی جولا پھوٹ پڑی ہے
وقت سے تھوڑا جب کڑی
(۳۱)

ترقی پسندتحریکیوں میں ساحر،فیض کے زیر اثر لکھنے والوں میں اسرارالحق مجاز، اقبال شمیم، اختر حسین جعفری، اور کشور ناہید قابیل زکر ہیں۔

ن۔م راشد اردو نظم کی روایت بھی سرمہرست اور حلقہ ارباب ذوق کے بانی ہیں۔انہوں نے اردو نظم میں اپنے آپ کو متعارف کروایااورالگ معیارقائم کرنے کی کوشش کی۔راشدہ کے شعری مجموعے میں ''ماورا سے لے کر''،''ایران میں اجنبی'' تک اور یہاں سے ''r= انسان'' اور یہاں سے گمان کاممکن تک یہ سلسلہ بڑھتا ہےان کی نظمیں سادہ اور بیانیہ سے قطعی مختلف نہیں۔اپنے مضمون راشد کا ذہنی ارتقاء میں خلیل الرحمان اعظمی لکھتے ہیں۔بقول خلیل الرحمان اعظمی:

''راشد کی شاعری پر جب جب میں نے غور کیا ہے اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ان کی شاعری دراصل اقبال کی شعری شخصیت کا تسلسل یا اس کی تشکیل تو ہے۔راشد کے یہاں جو چیز اقبال سے مختلف ہے وہ ان کا زاویہ نگاہ ہے۔ جو ان کی اپنی شخصیت اور ذائی وجدان کی دین ہے۔''(۳۲)

آج جدید نظم نگاری میں ن۔م راشد کا نام منفرداہمیت کا حامل ہے۔ان کی تخلیق ذہین نے اردو نظم کے مروجہ سانچوں کو قبول نہیں کیا۔ن۔م راشد کے بارے میں کتاب'' تذکرے اور تبعرے میں'' ''سراج الا اسلام'' لکھتے ہیں۔بقول سراج الا

اسلام:

''راشد کی طبعیت کی جدت پسندی نے شاعری کو اپنے موضوعات سے روشناس کر رہا جوان سے پہلے ہماری روایت میں موجود نہ تھے۔ لہذا لوگوں کو فوری طور پر رائیں ہضم کرنے میں وقت ہوتی لیکن پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ بات ثابت ہوئی کہ زندگی ہم سے یکسانیت کے بجائے جدت اور اختلاف کا تقاضا کرتی ہے۔ راشد نے زندگی گزار کر اپنے تجربات کی روشنی فراہم کی جس نے موضوعات کو جدت عطا کرنے کے ساتھ لطافت خیال اور اسلوب بیان دونوں کو قائم رکھا۔ اور اپنی شاعری میں بہت سی رہی فضا پیدا کہیں جوان کے بعد آج تک کسی اور کے ہاں دیکھنے میں نہیں آئیں یا شاید راشد کی بدنامی کے بعد کسی اور شاعر نے اس راستے پر چلنے کی ہمت نہیں کی۔''(۳۳)

راشد نے پابند نظم کے دور میں آزاد نظم کو لکھا۔ اس نے آزاد نظم کو ایک نیا اسلوب، نیا لہجہ نئ وسعت دی۔ بقول جابر علی سید کا کہنا ہے:

'' اردو میں آزاد نظم اور ن۔م راشد کا نام ایک ہی سانس میں آتے ہیں اسے آزاد نظم کی خوش قسمتی سمجھنا چاہیئے۔''(۳۳)

انہوں نے اردو شاعری کی روایات سے بغاوت کی اور بغاوت داخلی اور خارجی اور فکری وفنی ہر لحاظ سے بغاوت ان میں ''زنجیر''، ''ہونٹوں کا لمس'' اور ''طلسم جادواں'' اور اتفاقات وغیرہ شامل ہیں۔

اردو میں پہلی آزاد نظم مولانا عبدالحلیم شرر نے ضروری ۱۹۰۱ء میں سمندر کے عنوان سے لکھی۔ تصوق حسن خالد وہ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے آزاد نظم نگاری کو باقاعدہ اختیار کیا۔ اور اردو شاعری میں پہلے باقاعدہ آزاد نظم گو شاعر کے طور پر معروف ہوئے۔ ان کی کتاب ''سرِ دنو'' ان کا پہلا مجموعہ ہے۔ بقول عزیز حامد مدنی:

''ان کی نظموں کو پڑھنے سے اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ ان تمام نکات کو جو فرانسیسی سے انگریزوں میں آئے تھے۔ تصدق حسن خالد نے پوری طرح سمجھتے تھے انہوں نے ان الفاظ میں صوتی مناسب کے غرض کو بھی سمجھا۔''(۳۴)

ڈاکٹر تصدق حسین کے دو شعری مجموعے ہیں۔ ایک ''سرِ دنو''، ''لا مکان'' نام سے ہے۔ ان کی نظموں میں ''بغاوت''، ''چاند آج کی رات نہیں نکلا''، ''پیام''، ''ایک کتبہ'' اور ''اعجاز تصور'' وغیرہ شامل ہیں۔ اشعار ملاحظہ ہیں:

خوشی میں جھومتے ہونگے درخت
تیرا ہونا اور نہ ہوتا ایک ہے ان کے لیے
کائنات دہر میں تنہا ہے تو
کسی قدر تنہا ہے تو

حلقہ ارباب ذوق میں میراں جی کا بھی بڑا نام ہے۔ جدید اردو نظم کو بام عروج تک بناتے کا سہرا بلا شبہ میرا جی کے سر ہے۔ ان کی نظموں کو سمجھنے کے لیے ان کی ذات کی خارجی زشت روئی اور داخلی خوب دوئی کو سمجھنا ضروری ہے۔ ان کے نظموں کے مجموعے میں تین رنگ اور میرا جی کے رنگ شامل ہیں۔ تصوران کی نظموں کا نمایاں پہلو ہے۔ ان کی نظموں میں جنسی پہلو بھی نمایاں ہے۔ بقول جمیل جالبی:

''میراں جی کی شاعری میں چیزیں نہیں بلکہ چیزوں کا تصور ملتا ہے۔ انھیں نے عورت سے زیادہ عورت کی تصور عزیز ہے۔ منظر میں منظر بن کر نہیں جبکہ تصویر بن کر ان کی شاعری میں آتا ہے۔'' (۳۵)

میراں جی کا شمار جدید شاعری کے پانیوں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے جدید شاعری کی ئیت میں نئے نئے تجربات کیے۔ انہوں نے شاعری کو نئے امکانات اور نئے رجماعات سے مالا مال کیا۔ بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:

''میراں جی کی شاعری نے اردو شاعری کی شعری ساخت پر بڑا گہرا اثر ڈالا ہے۔ رموز اوقات کو کامیابی کے ساتھ شعری اظہار کا وسیلہ بنایا ہے۔ آج کا شاعر زبان بیان طرز اسلوب اور جدید ہیئتوں کو جس اعتماد کے ساتھ پیش کر رہا ہوں اس میں میراں جی کا حصہ فراموش نہیں کیا جا سکتا۔'' (۳۶)

میراں ہی کی نظمیں برقعے تن آسان اور رخصت اسی نظمیں ہیں جس میں میراں کی کی نفسیاتی کیفیات کھل کر سامنے آئی ہے۔

مجید امجد اختر الایمان کے اہم معاصرین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ جدید نظم نگار شعراء میں ان کا قد خاصا بلند ہے۔ مجید امجد نے غزلیں بھی کہیں اور نظمیں بھی لیکن وہ بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں۔ اور شہرت بھی نظم سے ملی۔ ان کی نظموں میں بڑا تنوع اور رنگارنگی ہے۔ ان کی نظمیں موضوع اور اسلوب کے اعتبار سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہیں ہیں۔

ان کے ہاں خارجی زندگی کے بہت چھوٹے چھوٹے اور بظاہر غیر اہم موضوعات بھی ہیں۔ انھوں نے ئیت کے تجربات و مشاہدات کو تجریر اپنی شاعری میں بیان کیا۔ وہ شاعرانہ تصورات سے منظر کشی کرتے تھے۔ ان کی نظموں میں کنواں، آٹوگراف، پٹواری، طلوع فرض، وقت اور ہری بھری فصلیں شامل ہیں۔ ان کے ہاں آزاد اور پابند نظمیں ملتی ہیں۔ مجید امجد کی نظم نگاری کے بارے میں وزیر آغا لکھتے ہیں۔ بقول وزیر آقا:

''مجید امجد کی نظموں میں قریبی انتہا کے وجود کا گہرا احساس ہوتا ہے۔ ممئیاں کلس، گلیاں، بس اسٹینڈ، پان چائے کی پیاتی، دھوپ رچے کھلیان، آنگن نالیاں اور اس طرح کی ان گنت دوسری اشیاء جو شاعر کے ماحول کا حصہ ہیں۔ بڑی آہستگی سے اس کے کلام میں ابھرتی چلی آئیں ہیں۔ شاعر کا مشاہدہ بڑا گہرا ہے اور اس کی نظروں سے ماحول کا کوئی نوکیلا پہلو اوجھل نہیں۔ تاہم مجید امجد کا یہ مشاہدہ محض خارجی ماحول کی تصویر کشی تک محدود نہیں۔ یہ سارا ماحول اور اس کی انتہاء شاعر کے تجربے کی چکا چوند سے اکتساب نور بھی کرتی ہیں۔'' (۳۷)

مجید امجد کی شاعری ذات و کائنات کی شاعری ہے۔ان کی شاعری کا مرکزی خیال ''زندگی'' ہے۔مجید امجد کے ہاں ہر پہلو دیکھنے کوملتا ہے۔ڈاکٹر وزیر آغا کہتے ہیں۔بقول ڈاکٹر وزیر آغا:

''مجید امیر ایک تازہ اور شاداب شاعر ہے۔اقبال کے بعد ابھرنے والے شعراء میں مجید امجد وہ زبان اور لہجے کی حدبندیوں کوتوڑ کر اپنی انفرادیت کا احساس دلانا ہے۔''(۳۸)

نئی نظم تحریک:

ساٹھ کی دہائی میں اردو شعراء کی تاریخ میں تبدیلی کی ایک نئی لہر پیدا ہوئی۔پاکستان میں جدید شاعری جیسے موضوعات کے پس منظر میں ایک نظریہ کارمزہ ہوتا ہے۔جو''لسانی تشکیلات'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اس نظریے کے تحت ادبی وتخلیقی کوشش ''لسانی تشکیلات'' کے نام سے موسوم ہوئیں۔افتخار جالب نے نئی نظم کے عنوان سے مضامین کا ایک مجموعہ شائع کیا جس میں ان کے علاوہ ''صفدر امیر اختر حسین''، ''گوہر نوشاہی''، ''عزیز الدین احمد''، ''عبدالحق کھامی''، ''ڈاکٹر سید عبداللہ''، ''تبسیم کاشمیری'' اور ''انیس ناگی'' کے مضامین شامل ہیں۔ان کی شاعری کی پہلی ''ماخذ'' ان کی شہرت بنی۔

ماخذ کے بعد افتخا جالب کی شاعری میں تبدیلی آئی انہوں نے سیدھے سادھے اسلوب میں منظّم جذبات کی شاعری کی۔ افتخار جانب کی نظمیں پرسکون جذبات کی نظمیں نہیں بلکہ خیالوں، حقیقتوں اور خوابوں کا رراز کی عکاسی ہیں۔بقول ڈاکٹر افتخا جالب:

''افتخار جالب کا خیال ہے کہ ہم لفظ کے حوالے سے کب تک اس محدود دائرے میں بندر ہیں گے اور کب تک گھر نمبر والے ہم پر حکومت کرتے رہیں گے۔''(۳۹)

''زاہد ڈار'' نئی شاعری کے نمائندہ شعراء میں سے ہیں۔ان کی نظمیں جدید زندگی سے جڑی موضوعات کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں۔ان کی نظمیں سادہ اور آسان ہے ان کی نظموں کو پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ زندگی کی تمام تکالفیں ایک عورت کی محبت سے خوشیوں میں بدل سکتی ہیں۔ان کی نظمیں جدید زندگی سے جڑے موضوعات کی عکاسی کرتی ہیں۔انیس انا گی لکھتے ہیں۔بقول انیس ناگی:

''شاعر کے نزدیک نئے انسان کی تصویر انتہائی اور اس سے پیدا شدہ مصبتیوں سے مشکل ہوا ہے۔نئے انسان کا کرب زندہ رہنے کی مجبوری پیدا ہوتا ہے۔شاعر کو عہد حاضر میں کوئی ایسا نظریہ نظام اور شخصیت نہیں ملتی ہے۔''(۴۰)

تبسیم کاشمیری منظر عام پر آنے والے شاعروں سے خاص اہمیت کے حامل ہیں۔انہوں نے اپنے جذبات واحساس کے لیے اظہار کے لیے نثری نظم اور آزاد نظم کی ہئیت کو ترجیح دی۔ان کی تمام تر نظمیں آزادئیت کی لکھی گئی ہیں۔ان کی نظموں میں انسانیت اور انسانی دوستی کے بے شمار حوالے شامل ہیں۔

جیلانی کامران لسانی تشکیلات کی تحریک کے عظیم شخصیت کے حامل ہیں۔بنیادی طور پر جدید نظم نگاری میں ان کا نام قابل ذکر ہے۔ان کا پہلا مجموعہ ''استائزے'' ہے۔انہوں نے اپنی شاعری میں بے حد آسان اور سادہ زبان، تشبیہات و استعارات کا

استعمال کیا۔ جیلانی کامران کی نظم اس اجتماعی لاشعور کے تناظر سے ابھرتی ہے۔ اور اپنی مصرعوں کی ساخت اور لفظوں کے چناؤ کے باعث دلکشی اور سادگی سے مسلم قاری کو اسلامی شخص سے روشناس کراتی ہے۔ صلاح الدین محمود لکھتے ہیں:

''ہمارے وقتوں کے ایک نمائندہ شاعر کی حیثیت سے جیلانی کامران کا درجہ مسلم لحن منفرد اور فلسفہ حیات واضح اور شفاف ہے۔'' (۴۱)

منیر نیازی کی شاعری میں مغربی اثرات پائے جاتے ہیں۔ ان کا شمار بیسویں صدی کے مقبول ترین شعراء میں ہوتا ہے۔ منیر نیازی نے جنگل سے وابستہ علامات کو اپنی شاعری میں خوبصورتی سے استعمال کیا۔

انھوں نے جدید انسان کے روحانی خوف اور نفسی کرب کے اظہار کیے ہے۔ چڑیل اور چبل ایسی علامات پیش کی۔ ان کے مجموعوں میں ''تیز ہوا اور تنہا پھول''، ''جنگل میں دھنک''، ''دشمنوں کے درمیان ایک شام'' اور ''پہلی ہی بات آخری ہے'' وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے ہاں رومانیت کے ساتھ ساتھ ایک اسرار کی روحانی فضا ملتی ہے۔ ان کی شاعری میں سانپ کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔ بقول ڈاکٹر عبدالستار نیازی:

''منیر نیازی کے ہاتھوں سانپوں کا تذکرہ بھی کثرت سے ملتا ہے۔ وہ ہمیں کسی اور شاعر کے ہاں نظر نہیں آتا۔ سانپ ان کی شاعری کا بلیغ استعارہ ہے۔ سانپ ان کے ہاں کہیں مطلب پرست لوگ ہیں کہیں عنایت کو ناچنے والے نہیں لوٹنے والے گدھ۔'' (۴۲)

جدید اردو شاعری میں ایک معتبر نام وزیر آغا کا بھی ہے۔ ان کی نظموں کا پہلا مجموعہ ''شام اور سائے'' ہے۔ ان کی نظموں میں رومانیت اور درخلیت پسندی علامت نگاری اور امیجز کے پائے جاتے ہیں۔ ان کی نظموں میں تہذیب حاضر کا المیہ پیش کیا۔ ان میں ''جب اور اب''، ''تہذیب''، ''اندھا کنواں'' شامل ہیں۔ بقول عرش صدیقی:

''وزیر آغا کی نظموں کا نمایاں پہلو ہے وہ عموماً تصویروں کی زبان میں بات کرتا ہے۔ تصویرات ان کی شاعری کی جان ہے۔ ان کی نظمیں مختصر ہوتی ہیں۔'' (۴۳)

آفتاب اقبال شمیم کا شمار اردو جدید نظم کے نمائندہ شعراء میں ہوتا ہے۔ معاشی، معاشرتی اور قومی موضوعات کو بیان کرنے کے لیے غسہل نگاری کا سہارا لیتے ہیں۔

امجد اسلام امجد کا نام بھی جدید اردو نظم میں قابل ذکر ہے۔ امجد اسلام امجد شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ کالم نگار، ڈرامہ نگار، سیاح اور امتزاج کی حیثیت رکھے ہیں۔ امجد اسلام امجد نے اپنے لئے مخصوص لسانی تشکیلات کی محفل سجائی ہے۔ جن کی مدد سے وہ فارسی کے لیے ایسے امیجز کرتے ہیں۔ جو قاری کو خود احساسات کا ساتھی بنا دیتے ہیں۔ ڈاکٹر وحید قریشی لکھتے ہیں:

''امجد اسلام امجد کو یہ رومانوی دنیا خیال پسند ہے۔ جس میں سفر اور خواب سب نمایاں ہیں۔ ان خوابوں کی نیت ذاتی اور شخصی ہے۔'' (۴۴)

اکیسویں صدی میں بہت سے شعراء ہیں۔۔ جنھوں نے اردو نظم کی روایت کو برقرار رکھا ہوا ہے۔ ان میں افتخار عارف، فہمیدہ

ریاض، کشور ناہید، حسن عابدی، رفیق سندیلوی، وحید احمد، جاوید انور اور شاہین کاظمی کے نام قابل ذکر ہیں۔ان کی نظموں کا اسلوب پختہ ہے۔دلکش بھی ہے۔اپنے ارد گرد ہونے والے حالات و واقعات کو نظموں کا موضوع بناتے رہے۔اردو نظم کا ارتقائی سفر آج بھی جاری ہے۔جدید اردو شاعری میں معظّمہ نقوی نظم نگاری کے لحاظ سے اہمیت کی حامل ہیں۔

ان کا شعری سفر آج بھی جاری ہے۔ان معظّمہ نقوی نے اپنی تصنیف آخری بارش میں موجودہ دور کی نظموں میں سماجی موضوعات نمایاں طور پر عیاں کیے ہیں۔

ڈیرہ غازی خان کی نظمی روایت:

ڈیرہ غازی خان پاکستان کے صوبہ پنجاب کا ایک ضلع ہے۔ڈیرہ غازی خان کی سرزمین تاریخ کے اعتبار سے مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے مشہور رہی ہے۔سب سے پہلے یہ بات جاننا ضروری ہے کہ ڈیرہ غازی خان کو کس شخصیت نے آباد کیا۔لفظ ''ڈیرہ'' فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں۔''رہائش گاہ'' کے ہیں۔اسی طرح لفظ ''ڈیرہ غازی خان'' ہندی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی بھی رہائش گاہ گئے ہیں۔ پہلے پہل یہ شہر ''دیرہ غازی خان'' سے مشہور ہوا بعد میں "دیرہ غازی خان" سے ''ڈیرہ غازی خان'' کے نام سے مشہور ہوا۔ بلوچ ثقافت میں ڈیرہ غازی کو قیام گاہ کے ساتھ ساتھ مہمان خانہ کے طور پر میں استعمال کیا جاتا ہے۔

پندرھویں صدی عیسوی میں بلوج قبائل نے اس دھرتی کو مسکن بنایا۔ روایت کے مطابق ممتاز بلوچ سردار'' حاجی خان میرانی'' نے اپنے لاڈلے بیٹے ''غازی خان'' کے نام پر دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر ''ڈیرہ غازی خان'' کی بنیاد رکھی۔ ''ہاشم شہرخان'' کی کتاب ''ڈیرہ غازی خان کی تہذیبی خدوخال'' کے پیش لفظ میں مشہور شاعر اور نثر نگار ''جاوید احسن خان'' لکھتے ہیں۔ بقول جاوید احسن:

> ''قریباً پندرھویں صدی عیسوی میں بلوچ قبائل نے اس علاقے کو مسکن بنایا اور مقتدر قبائلی سردار محمد حاجی خان میرانی نے اپنے بہادر بیٹے غازی خان کے نام پر ۱۴۷۶ء کو دریائے سندھ کے کنارے پر ڈیرہ غازی خان کی بنیاد رکی بنیاد رکھی۔''(۴۵)

ڈیرغازی خان دریائے سندھ کے کٹاؤ کی لپیٹ میں آ گیا۔اس وقت یہ شہر موجودہ مقام سے ۱۵ کلومیٹر دور مشرق میں واقع تھا۔محل وقوع کے لحاظ سے ڈیرہ غازی خان کو ملک کے چاروں صوبوں کے وسط میں واقع ہے۔ مارچ ۱۸۴۸ء میں انتظامی اصطلاحات کے تحت ڈیرہ غازی خان کو ضلع کا درجہ دیا گیا۔ڈیرہ غازی خان کے لوگوں نے نہ صرف جنگ آزادی میں اہم کردار ادا کیا بلکہ بعد میں ''سرسید احمد خان'' کی علی گڑھ تحریک کے زیر سایہ نشوونما پاک اس خطے کی ترقی میں نمایاں حصہ کیا۔ڈیرہ غازی خان ڈویژن کے مشرق میں ''ملتان'' جنوب بہاول پور، شمال میں ''میانوالی'' اور مغرب میں ''صوبہ بلوچستان'' کے ساتھ ساتھ خیبر پختونخوا کا علاقہ ''ڈیرہ اسماعیل خان'' واقع ہے۔ان اضلاع میں ڈیرہ غازی خان مظفر گڑھ، لیہ، راجن پور واقع ہے۔

یہ علاقہ پہاڑ اور ریگستان علاقہ پر مشتمل ہے۔لیکن اب اس علاقے کو زراعت کے قابل بنایا جا رہا ہے۔ڈیرہ غازی خان کا علاقہ کثیر القیوم آبادی پر مشتمل ہے۔ان میں پٹھان، بلوج، جاٹ، دادپوترا، قریشی اور آرائیں شامل ہیں۔ ڈیرہ غازی خان میں اس علاقے کی ثقافت پر سندھی تہذیب وثقافت کے اثرات نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ بقول مظہرالاسلام:

> ''اگر ہم اپنے ملک کی حقیقی تہذیب کو سمجھنا ہے تو ہمیں ایک ہی عرصہ ڈیرہ غازی خان کے طول وعرض میں گزارنا چاہئے۔ کیونکہ یہاں قدیم وجدید امتزاج کے ساتھ ساتھ تہذیبی پہلو کی باہم آمیزیش اور منفرد جداگانہ اوصاف کے مطالعے کے مواقع ملتے ہیں۔''(۴۶)

یہاں کے مقامی لوگ سرائیکی بولتے ہے۔اور مقامی بولی بھی سرائیکی ہے۔ان کے علاوہ بلوچی بولنے والے لوگ بھی موجود

ہیں۔ڈیرہ غازی خان میں انگریزوں نے اردو کو رابطے کی زبان قرار دے کر اسے دفتری زبان بنانے کا حکم جاری کیا۔ڈاکٹر شکیل تیافی لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ ڈیرہ غازی خان نے اردو کو نہ تو صحیح مقام حاصل ہو سکا اور نہ ہی یہاں کے علمی و ادبی حلقوں نے اس زبان کو درخور اعتنا جاتا۔''(۴۷)

اس کے علاوہ ڈیرہ غازی خان کی سرزمین علم و ادب کے حوالے سے بہت زرخیز ہے۔ڈیرہ غازی خان میں سرائیکی ادب پر بھی بہت کام ہو رہا ہے۔شاعر ہو یا افسانہ یا پھر مضمون ہر لحاظ سے اس علاقے میں طبع آزمائی ہو رہی ہے۔ڈیرہ غاری خان میں مقامی بڑے شعراء میں شفقت کاظمی،حضرت حسرت موہانی کے شاگرد تھے۔حسرت موہانی برصغیر میں رئیس الغزل مشہور تھے۔

سید شفقت کاظمی ڈیرہ غازی خان کے ادب کی بہت خدمت کرتے رہے۔پھر ندیم جعفری،سید مخدوم صاحب،شاہ مرحوم واقف قادری،رقیع خاور جسکانی جو تحصلید دا ہونے کے ساتھ بڑے شاعر بھی تھے۔مرحوم محسن نقوی رفیع خاور جسکانی کے ساتھ بڑی عقیدت رکھتے تھے۔

محسن نقوی نے ۱۹۷۸ء میں ڈیرہ غازی خان کو خیر باد کر دیا۔محسن نقوی بلا شبہ ایک بڑے شاعر ہے۔لاہور میں وہ مختلف اخبارات کے ساتھ وابستہ صحافیوں کے ساتھ بڑے اچھے تعلقات بنا کر رکھے۔

ڈیرہ غازی خان میں محسن نقوی کے مدمقابل کیف انصاری تھے۔کیف انصاری کا اصل نام خیر محمد تھا۔

اس کے بعد شبیر ناقد اعلیٰ بادئے کے اردو اور سرئیکی شاعر ہیں۔انھوں نے بھی غزل،نظم،نعت میں خوب پذیرائی حاصل کی۔ان کی معروف تصانیف کتاب وفا،ملیب شعور،من دی مسجد،دل سے دور نہیں ہو تم وغیرہ شامل ہیں۔

اس کے علاوہ عدنان محسن کا تعلق پاکستان کے شہر ڈیرہ غازی خان سے ہے۔جہاں تک شاعری کا تعلق ہے عدنان محسن کی خوبی ان کی شاعری سے سچی وابستگی ہے۔آپ نے شاعری کی مختلف اصناف مثلاً نعت،سلام،قصیدہ،نظم،غزل کو ترسیل فکر کا ذریعہ بنایا۔

حوالہ جات:

۱۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی، ''شاعری کیا ہے''، ندیم یونس پرنٹر لاہور سن اشاعت دسمبر ۱۹۸۹ء

۲۔ Https;\\www.jasasat.com. 1010g f

۳۔ فراق گورکھ پوری، ''اردو کی شعری صاف''مشمولا ص ۲۲

۴۔ اخلاق دہلوی، ''فن شاعری'' کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع دہلی ۱۹۶۲ء، ص ۲۶

۵۔ شمیم احمد، ''اصناف سخن اور شعری ہیتیں'' انڈیا ایک امیر رویم بھوپال ۱۹۸۱ء، ص ۲

۶۔ Https;\\ hamsiwes.com.Articles 15.02.2024

۷۔ انور سدید، ''اردو ادب کی مختصر تاریخ''، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد ۱۹۹۱ء، ص ۵۹

۸۔ Https;\\urdu links.com.18.02.2024

۹۔ Https;\\urdumoalla.com

۱۰۔ Https;\\ hamasi web.com Articles 20.02.2024

۱۱۔ Https;\\urdu notes.com lesson n......22.02.2024

۱۲۔ ڈاکٹر محمد حسن، ''دہلی میں اردو شاعری کا تہذیبی و فکری پس منظر'' ادارہ تصنیف، علی گڑھ ۱۹۶۴ء، ص ۲۴۹

۱۳۔ پروفیسر مسعود حسن، ''مقدمہ دیوان فائز انجمن ترقی اردو ہند''، ۱۹۴۲ء، ص ۹۰

۱۴۔ سرگذشت حاتم ''محی الدین قادری زور'' ص ۹۳

۱۵۔ احتشام حسین، ''بحوالہ عکس اور آئینے''، ص ۴۹

۱۶۔ سنبل نگار، ''اردو شاعری کی تنقیدی مطالعہ''، ایجوکیشنل بک ہاؤس یونیورسٹی مارکیٹ علی گڑھ ۱۹۹۵ء، ص ۴۴۲

۱۷۔ Https;\\www.rekhta.org.wiki

۱۸۔ عبدالقادر سروری، ''جدید اردو شاعری انجمن''، امداد باہمی مکتبہ ابراہمیہ اسٹیشن روڈ حیدر آباد دکن ۱۹۳۲ء، ص ۱۳۳

۱۹۔ محمد حسین آزاد، ''مجموعہ نظم آزاد'' مطبوعہ قارہ عام سٹیم پرس، لاہور ۱۸۹۹ء، ص ۳۲

۲۰۔ سرسید بنام آزاد، بحوالہ تاریخ تہذیب اور تحقیقی تجریہ سنگ میل پبلیشرز لاہور ۲۰۰۶ء، ص ۲۷۵

۲۱۔ Https;\\urdunotes.com question

۲۲۔ Https;\\www.weridurdurnp.com........\

۲۳۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ''اردو شاعری کا فنی ارتقاء''، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس دہلی ۱۹۹۴ء، ص ۱۱۴

۲۴۔ کوثر مظہری، ''جدید نظم حالی سے میراں جی تک''، مظہر پبلی کیشن، دہلی، نومبر ۲۰۰۵، ص ۱۰۸

۲۵۔ Https;\\urdu.sisat.com .news.......

۲۶۔ اقبال،''بانگ درا''، شیخ غلام اینڈ سنز پبلیشنز، لاہور ۱۹۰۵ء، ص ۸۸
۲۷۔ Https;\\urduemualla.com.
۲۸۔ Https;\\ncpub log.blogspot.com.
۲۹۔ Https;\\www.asanurdu.com josh,kin word
۳۰۔ فیض احمد فیض، ''نقش فریادی'' تاج آٹ پریس دہلی، س۔ش، ص ۶۱
۳۱۔ ساحرلدھیانوی (بلاوہ)، مشمولا، تلخیاں از ساحرلدھیانوی، یونیورسل، لیتھو پریس، ۱۹۴۰ء، ص ۹۵
۳۲۔ Https;\\urdu notes,com lesson n...
۳۳۔ Https;\\www.express.pk org
۳۴۔ عزیز حامد مدنی، ''جدید شاعری'' (جلد دوم) انجمن ترقی اردو کراچی پہلی اشاعت ۱۹۹۴ء، ص ۴۰۴
۳۵۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، ''ارسطو سے ایلیٹ تک''، نیشنل بک فاونڈ نیشن، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۸۰
۳۶۔ Https;\\asan.urdu.com\meera.ji.ki....
۳۷۔ وزیر آغا، ''مجید امجد کی داستان محبت''، معین اکادمی لاہور، ۱۹۹۱، ص ۸۰
۳۸۔ ایضاً ص ۴۰
۳۹۔ افتخا جالب (دیباچہ) ماخذ مکتبہ ادب جدید لاہور، س ن، ص ۱۳
۴۰۔ ڈاکٹر انیس ناگی، ''نیا شعری رفق''، جمالیات لاہور، (طبع دوم) ۱۹۸۸ء، ص ۱۰۱
۴۱۔ Htttps;\\dunya.com.pk. indian .phd
۴۲۔ ڈاکٹر عبد الستار نیازی (مضمون) منیر نیازی ، ایک مطالعہ شمولا، التربیرسہ ،ماہی، بہار پور شمارہ غیر ۲ جلد ۵۰۔۲۰۰۹، ص ۲۱۔۳۲
۴۳۔ Https;\\www.rekhta.org. nazam
۴۴۔ ڈاکٹر وحید قریشی، ''جدیدت کی تلاش''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۰ء، ص ۲۵۲
۴۵۔ ہاشم شیر خان، ''ڈیرہ غازی خان کی تہذیبی خدوخال''، بک اویشن، پبلیشنز ملتان، ضنوری ۱۹۹۸ء، ص ۱۲
۴۶۔ مظہر اسلام، ''لوک پنجاب''، لوک ورثہ اسلام آباد ۱۹۸۶ء، ص ۴۶
۴۷۔ ڈاکٹر شکیل تیاتی، ''جنوبی پنجاب میں اردو شاعر جھوک''، پبلی کیشنز ملتان، ۲۰۰۸ء، ص ۲۴

باب سوم

''آخری بارش'' کا فکری جائزہ

شاعر اپنے داخلی جذبات واحساسات کولفظوں کے سانچے میں ڈھال کرشاعری میں بیان کرتا ہے۔ جو جذبات احساسات مشعر کی صورت میں ادا کیے جاتے ہیں۔ وہ نہایت مختصر جامع اور پرتاثر ہوتے ہیں۔ روزمرہ زندگی کا مشاہدہ اسی بات کو ظاہر کرتا ہے۔ کسی بھی انسان کے لیے اپنے احساسات وجذبات اور مشاہدات وتجربات کی عکاسی کا نام شاعری ہے۔ جو دلوں میں گداز اور لہجے میں شائستگی پیدا کرتی ہے۔ دنیا کی دوسری زبانوں کی طرح اردوادب میں شاعر کواولیت حاصل ہے۔ شاعری کی زبان نثر سے منفرد ہوتی ہے۔ اس کا دامن بہت وسیع ہوتا ہے۔ طویل جملوں کی نسبت قاری شعر میں زیادہ دلچسپی لیتا ہے۔ اوراس طرح جلدی مائل ہو جاتا ہے۔ دنیا جہاں کے افکارونظریات کواپنے اندر سمالیتی ہے۔ شاعری داخلی خارجی جذبات کا حسین امتزاج ہے۔ اس سلسلے میں کلیم الدین احمد اپنی کتاب اردو شاعری پر ایک نظر میں یوں بیان کرتے ہیں:

''ہم اگر شاعری سے الگ ہو جائیں تو ہماری زندگی جانوروں سے زیادہ قیمتی ہوگی۔''(۱)

فرد کا ذہن معاشرے کے اثرات کوقبول کرنا ہے۔ انسانی ذہنوں کی تربیت جدید شاعری کی بنیادی فکر بھی ہے۔ آج کے شاعری کے اس بات کا ادراک ہو چکا ہے کہ معاشرے کی اصطلاح میں انھوں نے اپنا کردار ادا کیا ہے۔ جس طرح انسان کوزندہ رہنے کے لیے اوراپنی سرگرمیاں سرانجام دینے کے لیے خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح روح کوغذا کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ روحانی غذا اجزیاتی تسکین شاعری سے حاصل ہوتی ہے۔

یہ کہنا غلط نہ ہوگا شاعری میں روحانی غذا موجود ہے۔ شاعر اپنے قلم سے قاری کے لیے غذا فراہم کرتا ہے۔ اگر چہ غزل اور شاعری کی اہم صنف ہے۔ اسے ہر طرف سے بلند رتبہ حاصل ہے۔ غزل کے ساتھ ساتھ نظم مروج ہے۔ شاعری کی سب سے وسیع قسم اردو نظم ہے۔ اردو نظم میں بہت سارے تجربے کیے گئے ہیں۔ جو اس کی وسعت کی دلیل ہے۔ نظم نے اپنے سفر کے دوران مختلف شعراء کے ہاں قیام کیا۔ اقبال کی نظم کا مطلب فکری وحدت سے بغور نظم انہیں یورپ سے ملا۔ انھوں نے پوری شعروادب کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ کہ نظم کو جو چیز باندھے رکھتی ہے فکری وحدت ہے۔ حفیظ جالندھری کے ہاں گہنوں سے مل کر اس کے روپ میں اضافہ ہوگیا۔

امیر مینائی کے ہاں پہنچی تو انھوں نے نعت گوئی میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے وراپنی منفرد شناخت قائم کی۔ اس سے انھوں نے لوگوں کے دلوں میں محبت رسول کا جذبہ پیدا کیا۔ مجید امجد کے ہاں نئی نئی ہیتوں سے آشنائی ہوئی۔ ن۔م راشد کے ہاں قیام کے دوران بغاوت کا ہنر سکھا۔ فیض سے انقلاب پایا۔ اور ظفر اقبال کے پاس جا کر آزاد نظم ہوگئی۔ عظیم شعراء اکرام سے فیض یاب ہونے کے بعد نظم کی لہریں کلاسکیت سے پھوٹی ہیں۔ جدیدیت نے اسے پروان چڑھایا۔ ڈاکٹر عبارت بریلوی لکھتے ہیں:

''درحقیقت جدید شاعری وہ ہے جو کسی انقلابی انداز سے بدلتے ہوئے ماحول کی صحیح ترجمانی خود اپنے آپ کو بدل دے۔ اس کے لیے روایت سے تھوڑی بغاوت ضروری ہے۔ تجربے کے ہاتھ اس میں شامل ہو جانا ضروری ہے۔''(۲)

نظم کا سفر آج بھی جاری ہے۔ شاعری کا جادو نظم سے شروع ہو کر اس کے زیر اثر آج بھی بہت سے شاعر اپنے قلم کا جادو جگا

رہے۔ ہیں۔ قاری کونظم کے سحر میں قید کر دیتے ہیں ۔فکر ایک موثر عمل ہے۔ کسی بھی فن پارے کو پرکھنے اور سمجھنے کے دو بنیادی طریقے ہیں ۔ایک فکر اور دوسرا فن ۔فکر سوچ یا تخیل ہے۔ کسی بھی ادیب منصف یا شاعر کا سب سے پہلے تخیل گہر دیکھا جاتا ہے ۔فکر اپنے دور اور صنف کی شخصیت کی عکاس ہوتی ہے۔ جب تک اس میں سماجی ، سیاسی شعور کے ساتھ فن کی گرہ نہ لگائی تو وہ ادھورا ہے۔ بقول سید عابد علی عابد:

''اردو محاورے میں فکر تشویش اور غور کو کہتے ہیں ۔لیکن نفسیات کی اصطلاح میں یہ وہ ذہنی عمل ہے۔ جس کے کام لے کر مقامات کو ترتیب دیتے ہیں ۔نتائج کا انجام اخذ کرتے ہیں۔''(۳)

جدید دور کے شعراء میں معظّمہ نقوی کی کتاب ''آخری بارش''علم وادب کے خزانے میں ایک وسیع ذخیرہ ہے۔فن اور فنکار زندگی میں ارتقائی مراحل طے کرتا رہتا ہے۔ زندگی کے تجربات سے اپنے فن کو نکھارتا جاتا ہے۔ ''آخری بارش'' بھی معظّمہ نقوی کا ایسا فن پارہ ہے۔ جس میں زندگی حقیقی انداز میں جلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ موجودہ دور کے سیاسی اور سماجی موضوعات نمایاں طور پر عیاں ہیں۔۱۲۳صفات پر مشتمل کتاب میں ۶۹ نظمیں ہیں۔

معظّمہ نقوی نے اپنی کتاب ''آخری بارش'' میں بہت سے موضوع بیان کیے ہیں ۔اور انھوں نے مختلف موضوعات کو ہمارے سامنے بیان کیا ہیں۔ معظّمہ نقوی نے شاعری میں اور بہت سے موضوعات پر قلم اٹھایا۔انھوں نے اپنی کتاب ''آخری بارش'' میں مختلف قسم کے موضوعات پر قلم اٹھائی ہیں۔

ان میں ایک موضوع وطن سے محبت کرتا ہے۔انہوں نے اپنی نظموں میں وطن سے والہانہ محبت کا اظہار کیا۔شاعر کیا ہے اس وطن اس ملک کے لیے کئی لوگوں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔ وطن سے محبت انسان کے ایمان کا حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر لکھنے والے نے اپنے وطن کی عظمت کے گیت لکھ کر دھرتی سے اظہار محبت کیا۔معظّمہ نقوی کو اپنے وطن سے بہت محبت ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ ہمیں اپنے وطن کی کامیابی کے کیے ہر وقت کوشاں رہنا چاہیے۔ ہمارا فرض ہے کہ مشکل وقت میں اپنے وطن کی حفاظت کریں۔ ایک محبّ وطن کو ہونا بھی ایسا چاہیے۔ کہ وہ اپنے وطن کے لیے اپنی جان قربان کردے۔ اور اس کی خوشحالی اور ترقی کے لیے کوشاں رہے۔ بقول سید گیلانی:

''جمہوریت میں ایسی اسلامی ریاست ہو۔جس میں احترام انسانیت ہو،امن وآشتی ہو،محبت میں،علم وآگہی ہو، تہذیب رچاؤ اور ایسا مثالی معاشرہ ہو جس میں مساوات ہو طبقاتی نظام ہو نہ بلا امتیاز انسانی ترقی ہو۔''(۴)

ان کے نزدیک ایک محبّ وطن ایسا ہو کہ ہر فرد اپنے وطن سے محنت کرے اور اس کی ترقی خوشحالی کے لیے اپنی جان کی بھی پردہ نہ کرے اس بات سے ہر فرد واقف ہے کہ اس وطن کی خوشحالی کے لیے کئی لوگوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے ہیں۔ اور تک جا کر ملک خوشحال ہوا ہے۔ ان کے نزدیک وطن کی محنت اور اس کی خوشحال اور امن کی خواہش ہر فرد اور ہر مسلم کے اندر ہمیشہ قائم رہنی چاہیے۔ معظّمہ نقوی نے وطن کی عظمت اور محبت کا قصیدہ یوں لکھا:

اے میرے وطن

اے پاک وطن

تعبیر ہے سچے خواب کی تو

علامہ کی تحریر ہے تو

اور قائد کی تصویر ہے تو۔۔۔۔۔

(۵)

ان کا ایک موضوع محبوب کے حوالے سے تنہائی کا شکار ہے۔ان کی نظم ''ڈھلتی شام'' کے اشعار ہیں:

آج اس ڈھلتی شام میں نقویؔ

آنکھ میں اک اُداسی جاگی

کالی رنگت پہن کر چہرے پر

روشنی مجھ سے دور بھاگی ہے

ایک ایک کر کے بجھ گئے ارماں

مضطرب ہو کے دل کے حجرے میں

ہو کے کتنی اداس بیٹھی ہوں

(۶)

جدید دور میں انسان تنہائی کا شکار ہے وہ محبوب کی بے رخی کی وجہ ے تنہا ہوسکتا ہے۔تنہائی انسان کے اندر جب پیدا ہوئی ہے۔پھر وہ اکیلا رہنا پسند کرتا ہے۔اور دوسروں سے اپنا دکھ بیان نہیں کرتا۔اس کے دل میں اذیتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔شاعر جب شاعری کرتا ہے تو جذبے کے تحت کرتا ہے۔اس میں شاعر محسوس کرتا ہے۔وہ بیان کرتا ہے شاعر کے محسوسات معاشرے کے افرد کے محسوسات کو بھی۔ہر کوئی کسی نہ کسی وجہ سے تنہائی کا شکار ہونا ہے۔

اس لیے جب معاشرے میں موجود لوگوں کے احساسات کو جانتا ہے۔تو اسے ان لوگوں کے اندر داخلی خلا یا تنہائی نظر آتی ہے۔اس سے متاثر ہو کہ شاعر خود شاعری میں اس عنصر کو بیان کرتا ہے۔تنہائی کا موضوع ہر شاعر کے ہاں ملتا ہے۔معظّمہ نقوی نے بھی اپنی شاعری میں تنہائی کو موضوع بنایا ہے۔بقول احمد ندیم قاسمی:

''ہر اچھا فنکار تنہا ہوتا ہے۔وہ اپنے گردوپیش کی صورت پر قناعت نہیں کرسکتا۔اس لئے تنہا ہے۔وہ اس بدصورت دنیا میں خوبصورتیوں کا تلاشی ہے۔''(۷)

معظّمہ نقوی نے نظموں کے فکری پہلو میں طنزیہ انداز کو بیان کیا۔زندگی اور اس کے مسائل پر گہرا طنز ملتا ہے۔معاشرے میں رہنے والے لوگوں کے رویہ پر طنز کرتے ہیں۔سید عابد علی عابد طنز پر وضاحت کرتے ہیں۔

''کوئی ایسا فن پارہ جیسے انسانی کمزوریوں اور بے ہوا گیوں کو آئینہ دکھایا جائے یا قاری کی مذمت کی جائے اور

ایسے معاشرہ ایانت کی جائے جس میں برائیاں اور رہا کاریاں راہ پا گئی ہیں۔"(۸)

کوئی بھی شاعر جب معاشرے میں برائی دیکھتا ہے تو اس کو نظر انداز نہیں کرتا جو دیکھتا ہے وہی اپنی فلم کے ذریعے سچائی کے ساتھ بیان کرتا ہے۔اس طرح معظّمہ نقوی نے بھی اپنے معاشرے میں ہونے والی برائیاں کو بیان کیا ہے۔ ہر شاعر اپنی شاعری میں طنز کو بیان کرتا ہے۔اسی طرح معظّمہ نقوی نے اپنی شاعری میں طنز کو موضوع بنایا۔اور ایک خاص انداز وفکر کے ساتھ شاعری میں بیان کیا ہے۔ان کی نظم "سوالی" کے اشعار ملاحظہ ہیں:

میں نے جان وار دی تجھ پر جاناں
اور تیرے نام کا چرچا کر کے
کوچے کوچے میں ہوگئی بد نام
ہوگئی غرق تیرے عشق میں، میں
ہر تمنا میری ہوئی ناکام
(۹)

معظّمہ نقوی موجودہ حالات کے حوالے سے مایوس نہیں ہیں۔انہوں نے امید کے موضوع کو اپنی شاعری میں قلم بند کیا۔امید کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔زندگی کے بارے میں امید کے لہجے کو رجائیت کہتے ہیں۔ڈاکٹر ظہر رحمتی رجائیت پسندی کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"دل کی تمناؤں اور خواہشوں کے لیے جدوجہد کرنا اور مستقبل پر بھروسہ کرنا،اس کے لیے پرامید ہونا، کائنات کو حسین اور خوبصورت سمجھنا اور احساس خوشی کے سہارے زندگی گزارنے پر امید خیالی اور بد حوصلگی کے جذبے کو رجائیت/امید کہتے ہیں۔"(۱۰)

انسان کو امید پر قائم رہنا چاہیے۔انسان کو کوئی بھی مشکل آتی ہے انسان نا امید نہیں ہونا چاہیے۔امید کی کرن پر یقین رکھنا چاہیے۔معظّمہ نقوی نے اپنی نظم i want him میں امید کو برقرار رکھا۔

مجھ کو یہ معلوم ہے ساجن
تو آکاش کا ماہ کامل
میں ایک مدھم مدھم تارا
ٹوٹ کے اترا جو دھرتی پر
پھر بھی تیرے پاس آنے کی ایک امید ہے میرے دل میں!
(۱۱)

انہوں نے اپنی شاعری میں انسانی سوچ اور خواہشات کو موضوع بنایا۔انسانی سوچیں اور خواہشات کا حصول فرد کے ہاں ملتا

ہے۔انسانی سوچیں اور بے جا خواہش فرد کا بچھا کرتے ہیں۔اور غیر ضروری خواہشات کے حصول کے لیے سوچیں انساں کا بجھا کرتی ہیں۔انسان کو اندر سے بے چین کیے رکھتی ہیں۔ان کی نظموں میں انسانی سوچ اور خواہشات کا موضوع نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ان کے ہاں جو خواہشات ملتی ہیں جو انسان کی داخلی طور پر بے چین کیے رکھتی ہیں۔معظّمہ نقوی نے اپنی شاعری میں انسانی خواہشات کو بھی موضوع بنایا ہے۔ان کی نظم ''الھڑ آرزو'':

کاش اپنا ہوا کرے کوئی
حوصلہ جو دیا کرے مجھ کو
کہر کے سخت موسم میں
مجھ کو تسکین دیا کرے کوئی
میں جیا کرتی ہوں کسی کے لیے
میری خاطر جیا کرے کوئی۔۔۔

(۱۲)

معظّمہ نقوی نے اپنی شاعری میں ماضی پرستی کو موضوع بنایا۔ماضی کی یادیں ماضی کے دن ماضی کے حالات وواقعات شاعری میں تقریبا ہر شاعر ہی استعمال کرتا ہے۔ماضی کی یادیں انسان کے ساتھ جڑی ہوتی ہیں۔جہاں عام فرد ماضی سے لگاؤ ہوا ہے اسی طرح شاعر کو بھی ماضی یاد رہتا ہے۔ان یادوں کو اپنی شاعری کا حصہ بنا لیتے ہیں۔معظّمہ بتول کی شاعری میں بھی ماضی کی یادیں ہیں۔انہوں نے اپنی نظموں میں ماضی کی یادوں کو بیان کیا۔اور اسی طرح معظّمہ نقوی نے اپنے ماضی کو شاعری میں بیان کیا ہے۔معظّمہ نقوی کی نظم ''یاد ہے'' کے اشعار دیکھئے:

پچھلے برس جون کا مہینہ تھا
موسم اپنے جوبن پر تھا
یاد ہے۔۔۔۔۔
وہ رات بھی کیا خوب تھی
من میں ہمارے آگ لگی تھی
اکھیوں میں خماری جگی تھی
ارمانوں میں جنگاری اُٹھی تھی
قریب اس دن ہم بہت ہوکے تھے۔۔۔۔

(۱۳)

یادیں انسان کے ساتھ جڑی ہوتی ہیں۔انسان کے ماضی کا حصہ ہیں۔جس میں وہ گزرتا ہے۔اور ان یادوں کو اپنے ذہن

میں محفوظ کر لیتا ہے۔ ماضی کی یاد ایسی چیز ہے جو دل کے ساتھ جڑی ہوتی ہے۔ حال میں بھی ماضی کا عکس یادوں کی صورت میں نظر آتا ہے۔ ماضی ایک ایسی چیز ہے جو محبت کرنے والے کے دل پر نقش ہو جاتی ہے۔ اس کو بھلایا نہیں جا سکتا۔ معظّمہ نقوی اپنی نظم میں لکھتی ہیں۔

چھپا کے ہم کو
سینے سے اپنے لگا کے ہم کو
پیشانی پہ کبھی
آنکھوں پر کبھی
ہاتھوں پر کبھی
میرے ----
اپنے نرم لبوں کا بار بار لمس دیا تھا
رات وہ کچھ ایسے گزاری تھی ہم نے۔۔۔
(۱۴)

شاعر جب شاعری کرتا ہے تو اپنے زمانے کے معاشرتی اور سماجی مسائل کو نظر انداز نہیں کرتا۔ ایک شاعر کا فرض ہوتا ہے کہ موجودہ مسائل کو شاعری میں حقیقت پسندی کے ساتھ بیان کرے قاری پر اس کی حقیقت واضح کرے اپنے عہد کے معاشرتی اتار چڑھاؤ اور بدلتے حالات کو بے نقاب کرنا شاعر کا کام ہے۔ معظّمہ نقوی نے اپنی نظموں میں سماج کے مسائل کو بیان کیا۔ معاشرہ انسان کو نہیں چھوڑنا کتنا ہی اچھا بن جائے۔ دراصل انسان میں دوسروں کے دکھ درد محسوس کرنے کی صلاحیت نہ تو وہ انسان نہیں رہتا صرف حیوان کیلانے کے لائق ہے۔ جس سے سماج کی بھلائی کی توقع نہیں رہی۔ ڈاکٹر حسن دوسو لکھتے ہیں:

''ایک نئے معیار اور ایک نئے دور کا آغاز اصولوں اور کائنات کے جواب ضابطوں کے لیے نہیں بلکہ کائنات خود انسان کے لیے ہے وہ شہنشا ہے جو اصولوں کو روندتا ضابطوں کو ٹھکرانا اور فارمولوں کو اچھالنا نئی ترتیب اور نئے شعور کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔'' (۱۵)

شاعری دراصل پوری زندگی سماج کا احاطہ کرتی ہے۔ انسان سماج میں رکھتے رہتے ہیں لیکن جدید دور کے لوگ اس طرح کے ہیں کہ اگر ان کی ضروریات ہو تو وہ دستیاب نہیں ہوتے۔

کوئی فرد معاشرے کے لیے اچھا کام کرے یعنی کوئی اچھا کام کرتا ہے لوگ پھر بھی ان کو پسند نہیں کرتے۔ سماج ان لوگوں میں کوئی نہ کوئی نقص نکال لیتا ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ اس کے لیے دنیا ہی سب کچھ ہے۔ آخرت کو بھول بیٹھا ہے۔ اس کی نظم ''وائے'' معاشرتی انسانی بے مروتی دکھائی گئی ہے۔ کچھ اشعار ملاحظہ ہیں:

ہر جگہ پر انھیں غریبی کے کھل کے طعنے سناتے جاتے ہیں

حق کا دیتے ہیں درس وہ جب بھی
ان کو جھٹلایا جاتا ہے نقوؔی
ہے ادب کا بہت بلند مقام
دکھ تو یہ ہے کہ سب ادیبوں پر
ظلم کے تیر پھینکے جاتے ہیں
تب تو مشہور ہونے سے پہلے
ہو کے گمنام یہ مر جاتے ہیں
(۱۶)

کسی بھی شاعر کی شاعری کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ شاعر نے اپنے اشعار میں کتنی حقیقت پسندی کو بیان ہے۔ کیونکہ اس سے قاری کو شاعر کی قوت مشاہدہ تجزیہ کرنے کی صلاحیت اور متعلقہ حالات و واقعات کو اشعار میں بیان کرنے کے فن کا پتہ چلتا ہے۔

معظّمہ نقوی زبردست قوت مشاہدہ کی مالک ہیں انہوں نے اپنی شاعری ہیں گئی مقامات پر زبردست انداز میں حقائق کو بیان کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ کہ آپس میں چاہیے جتنی مرضی محبت ہو دوریاں آپس میں ایک دوسرے کو اجنبی بنا دیتی ہیں۔ ان کا نظم اجنبی کے اشعار ملاحظہ ہیں:

شہر فرقت میں اب بھی
چاہت عشق زیادہ ہے
سچا اپنا ہر ارادہ ہے
لیکن وقت نے اس چاہ میں
ایک حد فاصل کھینچ دی ہے
جس نے ہمیں کردیا ہے جدا
یہی وجہ ہے جو ہر پردیسی ٹھہرے تم
اور اجنبی ٹھہرے ہم!
(۱۷)

انہوں نے اپنی شاعری میں اداسی کو بھی موضوع بنایا۔ اداسی دکھی کر دینے والی کیفیت کا نام ہے۔ زندگی بیک وقت دکھی اور سکھ کا عجیب وغریب امتزاج رکھتی ہے انسان دل پر ہزار یا کیفیتیں اثر انداز ہوتی ہیں۔ ہر جذبے اور احساسات سے طویل تر ہوتی ہے۔ بقول مستنصر حسین تارڑ:

''اداسی اور مایوسی کو اپنے بدن کے اندر تحلیل نہ ہونے دیں ورنہ آپ کو چاٹ کھا جائے گی۔'' (۱۸)

اداسی کے لمحات اتنے مضبوط اور گہرے ہوتے ہیں کہ ان پر کوئی بھی چیز اثر انداز نہیں ہوسکتی۔ نہ خوشی کے رنگ نہ ہمدردی کے جملے، نہ ہمت کے بول یعنی پوری کائنات اداس لگتی ہے۔ معظّمہ کے بھی اپنی شاعری میں اورسی اور مایوسی کے لمحات کو بیان کیا ہے ان کا نظم ''ہم تم'' کے اشعار ملاحظہ ہیں۔ ہر طرف اداسی چھانے سے چہرے پر بھی اداسی کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ اے محبوب وفا کے وعدے یاد کرو اور بتاؤ کہ سچا عاشق کون ہے۔

بن تیرے اب تو ساتھی
ہر سو چھائی اداسی دیکھوں
چہرہ بھی اپنا باسی دیکھوں
وعدے وفا کے یاد کرو تم
بچھڑ کر اپنے چاند سے نقوؔی
تم ہی بتاؤ ہم کو اب تو
کون ہے اپنا کون ہے تمہارا؟

(۱۹)

معظّمہ صاحبہ نے اپنی شاعری میں بے رخی کو بھی موضوع بنایا۔ معاشرے میں پھیلے تعصّبات، ناہمواریوں اور جو آسیب چھایا ہوا ہے۔ اس کو دور کرنا چاہیے معاشرے کو حرکت میں لانا چاہیے۔ ان کی نظم ''جشن بہاراں'' کے اشعار ملاخطہ ہیں:

اب تو پھول بن کر
وہ
مہکا ہوگا
نہیں معلوم وہ
کس کا ہوگا
ہاں مگر وہ جسکا ہوگا ہے
جس کی وہ بہار ہے
جس کا وہ قرار ہے
اُسے تو انتظار ہے!

(۲۰)

یاد تنہائی ایک ایسا موضوع ہے جس کے ذکر کے بغیر اردو شاعری کا حصہ مکمل طور پر سامنے نہیں آتا۔ یادیں عمر کا حاصل ہوتی ہیں۔ اور تنہائیوں کی محفلوں کو سجانے کے لیے کارآمد ہوتی ہیں۔ یاد اور تنہائی کا تعلق بھی عجیب ہے۔ تنہائی یاروں کا سبب بنتی

ہے۔اور یادیں انسان کواور زیادہ تنہا کر دیتی ہیں۔تنہائی میں یادوں کا ایک ایسا عذاب ہوتا ہے کہ اسکا بیان مشکل ہے۔الفاظ بھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔اور انسان اپنے ساتھ اکیلا ہوتا ہے۔معظّمہ نے بھی اپنی نظموں میں یادتنہائی کو بہت سی جگہ پر بیان کیا۔شعر ملاحظہ ہیں:

اشکوں کا اک دریا نکلا
یادوں کا کہرام نہ پوچھو
(۲۱)

ایک تنہا لڑکی پلنگ پر لیٹی ہوئی ہے
گھڑ یال کے کانٹوں کی آواز سن رہی ہے
(۲۲)

ہر شاعر کوفطرت سے گہرا لگاؤ ہوتا ہے۔فطرت کے قریب شاعری انسانی دل ودماغ پر گہرا تاثر چھوڑتی ہے۔فطرت کے حسین مناظر کو سمجھ کر انسان ہواؤں میں اڑتا سیکھ جاتا ہے۔دریاؤں کی سینہ چاک کرتا ہے۔فطرت ہر انسان کو اپنی مرضی سے جینے کا درس دیتی ہے۔معظّمہ نقوی کو بھی فطرت سے بے پناہ محبت تھی۔اور فطرت سے لگاؤ ان کی نظموں میں نظر آتا ہے۔فطرت انفرادیت پسند ہے۔انہوں نے بھی فطرت کے موضوع کو اپنی شاعری میں اہم موضوع بنایا۔ان کی بے شمار نظمیں فطرت پر مبنی ہیں۔ان کی نظم ''سندیسہ'' کے اشعار ملاحظہ ہیں:

ساحل کرب پر ہم کو رکنا پڑا
تیز موجوں کا ہروار سہنا پڑا
(۲۳)

ہر کھیت خوشبوؤں سے معطر تھا رات دن
جاڑے کی شوخیوں کے مناظر نہ پوچھیے
(۲۴)

نئے زمانے کے میں فرد کی جذباتیت،انتقامی روشن ایک عجیب سے خلفشار میں مبتلا ہے۔معظّمہ کی نظموں میں بھی فرد کی ذہنی کشمکش اور اس کے نتائج کو پہلی بار منظر عام پر لانے کا موقع ملا۔انسانی زندگی الجھنوں کا مجموعہ ہے۔الجھن انسان کے تجسس کی کہانی ہے۔ان کی نظم ''بے خبر'' کے اشعار ملاحظہ ہیں:

تجھ سے میں دور ہوں مجھ سے تو دور ہے
آرزو ہے کہ فرقت کی اس راہ میں
میں تیرے ساتھ مل کر یہ کاٹو سفر

ہر تمنا کہیں ہو نہ جائے لہو
سوچتی ہوں وہ کب ملے گا مجھے
ہوگیا ہے جو نقوؔی راہ عشق میں
مجھ سے بھی بے خبر خود سے بھی بے خبر
(۲۵)

معظّمہ نقوی انسانی نفسیات کی بہت بڑی مصور ہیں۔ وہ فرد کے باطن میں جھانکتی ہیں۔اوران کی نفسیات اورنفسیاتی کیفیات کی ترجمانی کرتی ہیں۔معظّمہ کی نظم اورشاعری میں نفسیات کا گہراعمل دخل ہے۔کہیں ماضی کی یادوں میں قید ہیں۔ ماضی کی یادیں ان کا پیچھانہیں چھوڑتی اورکہیں معاشرے میں پھیلے ہوئے اندھیرے کودیکھ کرنا امیدتو دوسری طرف امید کی پہلوبھی نظر آتا ہے۔معظّمہ کے ہاں خارجی موضوعات کے ساتھ داخلیت بھی نمایاں نظرآتی ہے۔انہوں نےنظم کو نئے رنگ اور موضوعات کے ساتھ پیش کیا۔ بقول ریاض احمد:

''فن کارخارجی دنیا سے جب اپنی شخصیت کوکسی طورہم آہنگ نہیں کر پاتا تواپنی داخلی دنیا کی وادیوں میں چلا جاتا ہے۔ یہاں نشاط ومسرت ایک متسبت حقیقت کےطور پراس کےسامنےنہیں آتےلیکن اسےایک گونہ سکون ضرور مل جاتا ہے۔''(۲۶)

چنداشعارملاخطہ ہیں:

اس پہلی ملاقات میں
مستیاں میرے آس پاس تھیں
آرزوئیں حساس تھیں
ماتھے پر جھریاں تھیں
کاش تم ان میں پیار کی نشانی سجا کے
فقط اتنا کہہ دیتے
جان مجھے کبھی مت بھلانا
(۲۷)

معظّمہ نقوی کی نظموں میں محبت کا عنصر بھی نمایاں ہے۔محبوب سے باتیں کرنے اوراس کی یاروں میں کھوئے رہنے کی خواہش ہے۔محبت کے جذبات کوجابجا اپنی شاعری میں بیان کیا۔معظّمہ نقوی نےمحبت اورروحانی جذبات واحساسات کی عکاسی کرتی ہیں۔بقول احسن فاروقی:

''فن کارجذبات کوایک خاص قابوکےساتھ پیش کرتا ہےجس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس فن پارے سے سامعین کے

خدمات ابھرتے نہیں بلکہ ان کی تشکیل اور صفائی ہوتی ہے۔'' (۲۸)

معظّمہ نقوی کی نظم میں بھی محبت کا عنصر بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ایک خاص انداز میں بیان کرتی ہیں۔ان کی بہت سی نظمیں جذبات محبت کا اظہار کرتی ہیں۔ان کی نظم ''محبت'' کے اشعار ملاحظہ ہیں:

اس سے بڑھ کے ستم یہ بھی
اپنے ہیں پرائے غم یہ بھی
جان ہو کے جدا رہنا
واہ محبت تیرا کیا کہنا!

(۲۹)

عشق کا تصور معظّمہ کی سوچ اور جذبات میں روایتی پہلو سے کچھ ہٹ کر ہے۔عشق کی بات ہو تو خواہ عشق حقیقی ہو یا عشق مجازی معظّمہ کے خیال میں دونوں کی اہمیت یکساں ہے۔دونوں کی اپنی اپنی لذتیں ہیں۔دونوں کو اپنا اپنا مقام حاصل ہے۔معظّمہ کا کہنا ہے کہ اصل عشق انسان کا اور اپنی ذات سے ہے۔اور دنیا کے سب انسان صرف اپنی ذات کے سکون کے لیے عشق کرتے ہیں۔عشق کی صورت میں وہ اپنے وجود کو پھیلاتا ہے اور محبتوں کو تقسیم کرتا ہے۔

عشق کی حقیقی کی بات کرتے ہوئے معظّمہ کے اندر فطرت سے بغاوت کا جذبہ بھی نظر آتا ہے۔انہوں نے عشق کو نفسیانی حقیقتوں کے ساتھ بیان کیا۔بقول رشید خان:

''انسانی زندگی میں عشقیہ جذبات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے خدا یا محبوب دونوں کا عشق مرکز بنتے ہیں اور اس لحاظ سے صوفی اور عاشق گویا ایک ہی زبان میں باتیں کرتے ہیں۔'' (۳۰)

معظّمہ نقوی نے اپنی نظموں میں عشق حقیقی کو بھی متعارف کروایا۔اور عشق مجازی کو بھی۔ان کے ہاں دونوں جذبات نظر آتے ہیں۔عشق حقیقی کو اپنی نظم حمد کے اشعار میں بیان کیا۔اشعار ملاحظہ ہیں:

اسم ہیں تیرے
سب جلیل و قدیر
العلی و عظیم
تیری ذات صراط مستقیم
تو ہے فقط الرحمٰن الرحیم۔۔۔۔

(۳۱)

معظّمہ نقوی نے اپنی نظموں ہی عشق مجازی کو بھی بیان کیا۔انہوں نے اپنی نظم میں اپنے شوہر اپنے مجازی خدا کے بارے میں چند اشعار لکھے۔ان کی نظم ''جنم دن'' کے اشعار ملاخطہ ہیں:

اے میرے رفیق!
اگر میرا مضبوط وجود جلوہ نما نہ ہوتا
تو قیامت نقوی کا
کوئی ہم پلہ نہ ہوتا
(۳۲)

معظّمہ نقوی کے ہاں حسرت کا بیان بھی ملتا ہے۔شاعر کے ہاں ایک حسرت کہ وہ پوری ہو جائے جیسا کہ آج کل لوگوں کی حسرتیں اور تمنائیں زیادہ ہیں۔اور انسان چاہتا ہے کہ اس کی تمام خواہشات پوری ہو جائیں اللہ تعالی سے امید لگائے رکھتا ہے۔اور اپنی امیدوں کو پوری کرنے کی دعا کرتا ہے۔انسان کی ایک حسرت پوری ہوتی ہے تو دوسری کی امید لگا لیتا ہے۔معظّمہ کی نظموں میں بھی حسرت کا موضوع ملتا ہے۔ان کی نظم ''اقرار'' کے اشعار ملاحظہ ہیں:

خواہشوں کے تپتے صحرا میں
تشنہ لب رہ گئی
ایسا نہ ہو کل
زیست اجل کے پہلو میں کروٹ بدل لے
اور حسرتیں سب یاس بن جائیں
تب تم لوٹ آؤ
(۳۳)

موسم جس قدر حسین ہوتا ہے انسان کو موسم پر کیا فرق پڑے گا انسان کے اندر کا موسم تو باہر کے موسم سے مختلف ہوتا ہے کہ موسم خزاں میں اسے ہجر کا لوگ یاد آتا ہے۔اور جو غم اس کے اندر رہتا ہے اور پھر وہ اداسی کی طرف لے جاتا ہے اور انسان اسی موسم کو محسوس نہیں کر پاتا۔معظّمہ کی نظمیں بھی اسی لحاظ سے ہیں۔ان کی نظم ''منتظر نگائیں'' کے اشعار ملاحظہ ہیں:

زہر آلود بہاروں کے اس موسم میں
دل کا گلستان ویران ہے
مرجھائے ہوئے ہیں خواب سارے
بے رنگ جیون کی داستان ہے
(۳۴)

واقعہ نگاری اردو شاعری میں بہت مشکل فن ہے۔معظّمہ نقوی اس فن میں بہت ماہر اور کامیاب نظر آتی ہیں۔واقعہ کو اس طرح بیان کرتی ہیں کہ قاری کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ واقعہ اس کی آنکھوں کے سامنے پیش آیا ہو۔ان کی نظم ''معصوم شہدا کے نام'' کے

اشعار ملاحظہ ہیں:

دسمبر کی کہر آلود صبح
سرد
پردرد
نمودار ہوئی
بجانے کتنے تختے
کھلے نہ تھے
کلی کی صورت
مسلے گئے جو
ہائے ہائے
کرلاتی ہوئی ماں کی صدا
بجھتے دیپ کا دھواں
سکتے ارمانوں کا جنازہ
تڑپ کے سینے پر کبھی
منہ پر ماتم کرتی ماں
اتنا کہی
لال میرا کہاں ہے؟
لال میرا کب آئے گا
ہے کوئی پودا کر بائے گا؟
ماں کا جو سوال
ماں ہوئی ہے نڈھال!
(۳۵)

معظّمہ نے اپنی نظموں میں حسن و جمال کا ذکر پر لطف اور منفرد انداز میں کیا۔انھوں نے الگ انداز میں حسن و جمال کی تعریف کی ہے۔اور تعریف بھی ایسی کہ جس سے ظاہر ہوتا یہ خیالی بیکر ہی نہیں بلکہ ان کے احسن و جمال کو محسوس بھی کیا جا تا ہے۔اور آنکھوں کے سامنے اس کی تصویر گردش کرتی نظر آتی ہے۔انھوں نے حسین چہرے کی خوبصورتی کو ان الفاظ میں بیان کا۔نظم A Tribute is perveen Shakir کےاشعارملاحظہ ہیں:

وہ اجلی صورت
حسین رخ ماہتاب
روشن آنکھیں
اپنے حسن میں یکتا
جب وہ بولتی ہے
یوں لگتا ہے
کوئی کوئل
پاؤں میں سات سروں کی
چھا نجھر باندھے
گھنٹوں سے محور رقص ہو
(۳۶)

معظّمہ کی نظموں میں اپنائیت کا احساس ملتا ہے۔ وہ اپنائیت کو اپنے اشعار میں بیان کرتے ہیں۔ جو قاری پر ایک الگ سرور پیدا کر دیتا ہے۔ ان کی شاعری میں ایک یاد سنائی رہتی ہے۔ ان کی نظم ''تنہائی'' اشعار ملاحظہ ہیں:

جھاڑے کے اس موسم میں
بے قرار مچلتا رہتا ہے
اپنی سانسوں کے ہر تار میں
مجھے سنائی وہ دیتا ہے
(۳۷)

معظّمہ نقوی نے تراکیب کا استعمال بھی کیا۔ ان کے ہاں تراکیب کا استعمال ہمیں کہیں کہیں جگہ پڑھنے کو ملتا ہے۔ تراکیب کے معنی جوڑنا، ملانا، اصطلاح میں دو یا زائد الگ الگ معنی کے الفاظ کو ملا کر ان میں ایک نئی معنوی وحدت پیدا کرنا تراکیب کہلاتا ہے۔ تراکیب لفظوں سے بنتی ہے۔ اور تراکیب سے فقرے وجود میں آتے ہیں۔ اس سے کلام میں دلکشی اور خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔ معظّمہ نقوی کے ہاں تراکیب کا استعمال نہایت عمدہ طریقے سے ہوا ہے۔ اشعار ملاحظہ ہیں:

جام میں آب گل انگ گھول کر
اس نے مجھ سے کہا نرم آواز میں
(۳۸)

مجموعی طور پر اگر معظّمہ نقوی کی ساعری کا یا نظموں کا جائزہ لیا جائے تو انھوں نے سماجی موضوعات کو نمایاں طور پر عیاں

کیا۔اس میں ماں کی عظمت وطن کی مٹی سے محبت،طنز، دنیا کی بے ثباتی،امید ہمارے معاشرے کا اہم مسئلہ ہے۔معظّمہ نقوی کو پتہ ہے کہ معاشرے کا حصہ بننے کے لیے کتنی کوشش کرنی پڑتی ہے۔انھوں نے اپنی نظموں میں حقیقت نگاری سے کام کیا۔حقیقت نگاری سے کام لیتے ہوئے وہ اس معاشرے کی حقیقت سے جڑی ہوتی ہیں۔اوراس حقیقت کے ساتھ کہیں نہ کہیں تلخ ماضی اوراس سے وابستہ یادیں ان کی نظموں کا خاصا رہی ہیں۔ان کی نظموں میں اداسی اوراداسی وکرب کی کیفیت میں بھی قاری کے دل کوغیر دلچسپ نہیں ہونے دیتی۔معظّمہ نقوی بہت سادہ اوردل میں اتر جانے والی شاعری کرتی ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ کلیم الدین احمد، ''اردو شاعری پر ایک نظر''، بک ڈپو ریلیم پٹنہ، ۱۹۵۸ء، ص ۲۵

۲۔ ڈاکٹر وعبادت بریلوی، ''جدید شاعری''، اردو دنیا کراچی، ۱۹۶۱ء، ص ۲۲

۳۔ سید عابد علی عابد، ''اصول انتقاد ادبیات''، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۱۵۹

۴۔ سید احمد گیلانی، ''شکست آرزو کے موضوعات''، فیروز ناطق خسرو، اوز نامہ سنگ بے آپ، ۲۰ مئی ۲۰۱۲ء

۵۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۲۹

۶۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۵۶

۷۔ احمد ندیم قاسمی، (مضمون)، فیر کی منور شاعری، مشمولہ چھ رنگین دروازے، از منیر نیازی، مارا، پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص ۲۲

۸۔ سید عابد علی عابد، ''البیان''، زرین آرٹ پریس، لاہور، فروری ۱۹۸۹ء، ص ۱۵

۹۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۶۱

۱۰۔ ڈاکٹر ظہر رحمتی، ''غزل کی تنقیدی کی اصطلاحات''، اے۔ پی آفیسٹ پریس، دہلی ۲۰۰۵ء، ص ۲۵۷

۱۱۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۳۱

۱۲۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۶۸

۱۳۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۴۷

۱۴۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۵۷

۱۵۔ ڈاکٹر حسن روسو، اردو ادب، سہ ماہی ادبی تد اردسن: ندار، ص ۱۵۴

۱۶۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۶۳

۱۷۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۸۳

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۰۰۸

۱۹۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۲۷

۲۰۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۱۱۰

۲۱۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۴۴

۲۲۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۸۷

۲۳۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۶۴

۲۴۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۵۱

۲۵۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۵۰

۲۶۔ ریاض احمد، ''تنقیدمسائل''، یولمپر پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۱۶
۲۷۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۳۸
۲۸۔ محمد احسن فاروقی، ''غزل کی تنقیدی اصطلاحات''، اے پی آفیسٹ نئی دہلی، ص ۲۱۶۔۲۱۷
۲۹۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۱۰۰
۳۰۔ رشید حسن خان، ''دیوان دار''، مرتب ڈاکٹر تسیم احمد (دیباچہ) اشاعت جولائی ۲۰۲۳ء تا ۱۹۲۵ء سلسلہ مطبوعات، ص ۱۰۰۸
۳۱۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۲۷
۳۲۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۹۶
۳۳۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۹۴
۳۴۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۴۰
۳۵۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۹۷
۳۶۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۹۰
۳۷۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۱۰۴
۳۸۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۶۶

باب چہارم

''آخری بارش'' کا فنی جائزہ

شاعری بنیادی طور پر شاعر کے ذہین کا تجزیہ ہے۔ جسے شاعر اپنے احساسات و جذبات کے اظہار کے لیے استعمال کرتا ہے۔کسی بھی شاعر کا ماحول اس کی شخصیت اور خیالات کے اسلوب سے نمایاں ہوتا ہے۔ ہر شعر کا مخصوص انداز و بیان ہے۔فنی محاسن سے مراد وہ طریقہ کار ہوتا ہے جس سے فنکار اپنا کام دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہے۔جس میں خیال اظہار کے ذریعے سے خوبیوں کو استعمال کرتے ہیں۔اور اپنے کام کو ہر ممکن حد تک بہتر جانا ہے۔عبدالمجید خان نے انسائیکلو پیڈیا میں فن کی تعریف یوں کی۔

''ہر لفظ نہایت وسیع معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔مثلاً باغانی سنگ تراشی، مجسمہ سازی، نقشہ کشی، تصویروں کی رنگ سازی شاعری، موسیقی، ڈرامہ یا تمثیل نگاری اور بہت سے دوسرے فن کے اندر شامل ہیں۔جس سے ہماری نگاہیں لطف انداز ہوتی ہیں۔''(۱)

کسی بھی فنکار کے فن کو جو چیز ترغیب دیتی ہے۔وہی شاعر کا زوق جمال اور تخلیق حسن کا بے پناہ جذبہ ہے۔فن میں شعری تکنیک، ہیت اور شاعر کے اسلوب بحث کی جاتی ہے۔شاعری کا مقصد صرف بکھرے ہوئے خیالات کو ایک جگہ اکٹھا کرتا ہوتا ہے۔ تخلیق کا عمل ایک نہ ختم ہونا والا عمل ہوتا ہے۔فن میں احساسات و جذبات کا اظہار ملتا ہے۔بقول ریاض احمد:

''فنکار خارجی دنیا سے اپنی شخصیت کو کسی کام سے ہم آہنگ نہیں کر پاتا تو اپنے داخلی دنیا کی وادیوں میں چلا جاتا ہے۔یہاں نشاط و مسرت ایک مثبت حیثیت کے طور پر اس کے سامنے آئے لیکن اسے ایک گونہ سکون ضرور مل جاتا ہے۔''(۲)

اسلوب شاعری کا عکس ہے۔جو الفاظ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔شاعر اپنی تحریر کو دلکش اور خوبصورت بنانے کے لیے مختلف فنی تکنیکوں کا استعمال کرتا ہے۔جس سے شاعر کا باطن اور نفس کی دنیا کی پوری تصویر نمودار ہو جاتی ہے۔پروفیسر نصیر احمد خان اسلوب کی وضاحت کرتے ہیں۔

''اسلوب انگریزی لفظ اسٹائل کا مترادف ہے۔جس سے مراد ایسی طرز تحریر ہے جو ہر اعتبار سے منفرد ہے۔جو ادیب یا شاعر کی شخصیت کا مظہر ہو جو خارجی لسانی پہلوؤں کے علاوہ فنکار کے انداز و بیان، انداز فکر اور تخیل کی نمائندگی کرے۔''(۳)

ان کے ہاں سادہ اسلوب ہی ان کی نظم کا خاصا رہا ہے۔اس میں کی بھی قسم کا کوئی تضاد یا کوئی بناوٹ نہیں ملتی۔ان کے ہاں انداز شگفتگی اور شوخی بھی ہے۔جن سے ان کی نظم میں رنگ بکھرتا ہوا نظر آتا ہے۔ان کا لب ہمہ منفرد ہونے کے ساتھ نظم میں لطف پیدا کرتا ہے۔جس سے شعر میں جو بصورتی پیدا ہوتی ہے۔الفاظ کی ظاہری شکل وصورت سے شاعری کی ایک نئی دنیا آباد ہوئی ہے۔ان کی نظم Nostalgia کے اشعار ملاحظہ ہوں:

میرے ہمدم! اب احساسی دوری
میری زندگی کا لازمی جزو بن چکا

تجھ سے دور رہ کر
پریشانیوں میں گھر ی ہوئی ہوں
(۴)

تلمیح کے معنی کسی چیز کی طرف اشارہ کرنے کے ہیں۔کلام میں کسی تاریخی واقعے ،قرآنی آیت یا شخصیت کی طرف اشارہ کرنا تلمیح کہلاتا ہے۔تلمیح حضرت آدم کی تخلیق کے ساتھ وجود میں آئی۔اس میں کسی خیالات کا اظہار براہ راست نہیں بلکہ شاعر تلمیح کے ذریعے شعر میں ایسا مزاج پیدا کرتا ہے جس سے شعر خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔الفاظ کی ظاہری شکل وصورت کی مدد سے شاعری کی ایک دنیا آباد ہوئی ہے۔سب ذہن میں ایک مفہوم پیدا ہوتا ہے۔تو شاعر بھر پور الفاظ سے لطف اندوز ہوتا ہے۔بقول ڈاکٹر علی محمد خان:

''کلام میں کوئی ایسا لفظ مرکب استعمال کرے جو کسی تاریخی مذہبی اور اور فطری واقع کہانی کی طرف اشارہ کرے تلمیح کہلاتا ہے۔''(۵)

معظّمہ نقوی نے اپنی شاعری میں تلمیح کا استعمال کیا۔طویل واقعات کو کمال اختصار کے ساتھ ادا کرنے کے لیے ڈیزائن کیا ہے۔مختصر یہ کمال تو یہی ہی نہیں بلکہ یہ اعجاز کا کرشمہ ہے۔ان کی نظم ''اسلام ارض پاک'' کے اشعار ملاحظہ ہوں:

ہے معجزہ لا الہ کا تو
ایمان کی ایک جاگیر ہے تو
تو نور ہمارے دیدوں کا
ہاں تجھ پہ نچھاور ہوتا ہے
ہر لمحہ خون شہدوں کا
(٦)

انہوں نے اپنی شاعری میں رومانوی انداز کو بھی اپنایا۔کس طرح انسان/ شاعر اپنے رومانوی انداز کو تجسس کے ساتھ شاعری میں بیان کرتا ہے۔ایک انسان آئینے کی طرح خود کو بھی سامنے رکھتا ہے۔لیکن پھر لوگ اس کا یقین نہیں کرتے۔انھوں نے عشقیہ داستان بیان کی ہے۔اس ضمن میں اشعار ملاحظہ ہوں:

قریب اس دن ہم بہت ہوئے تھے
پلکوں کی جھالر میں اپنی چھپا کر ہم کو
سینے سے اپنے لگا کر ہم کو
پیشانی یہ کبھی
آنکھوں پہ کبھی
ہاتھوں پہ کبھی

میرے ----

اپنے نرم لبوں کا بار بار لمس دیا۔۔۔

(۷)

معظّمہ نقوی نے اپنی شاعری میں خود کلامی کا استعمال کیا۔ان کی شاعری میں ایسا تاثر ملتا ہے جس میں خود سے ہم کلام ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔اس حوالے سے اس کی نظم:

کہ دوران خود کلامی مجھے یاد نہیں رہتا
کسی دوسرے کے سوال کا جواب دینا
بعض اوقات
خود سے گفتگو کرتے وقت
ایسے الفاظ بھی زبان پر آجاتے ہیں
جنھیں میں اپنی گفتگو کا حصہ نہیں بنانا چاہتی
اچھا ''نقوی'' یہ تو بتاؤ؟
آج خود سے گفتگو کرتے وقت
آنکھوں میں آنسو کیوں اتر آتے ہیں؟----

(۸)

اس میں عشقیہ داستان بیان کی گئی ہے۔اگر کسی سے محبت کر دتو ہمیشہ سچ بولو اور مخلص رہو جھوٹ نہ بولو۔ایک انسان کے دل میں جب محبت پیدا ہوتی ہے تو وہ بغیر ہچکچاتے اپنی محبت کا اظہار کردے۔

یہ بات سچ ہے کہ معاشرے کے عام فرد کی طرح ایک شاعر تنہائی کا شکار ہو جاتا ہے اپنے گزارے حالات و واقعات کو خود سے ہم کلام ہو کر دہراتا ہے۔معظّمہ بتول کے ہاں بھی یہ پہلو نمایاں ہے۔

تکرار کی تکریر سے ایسی صنف مراد لی جاتی ہے جس میں دو الفاظ ایک جیسا معنی رکھتے ہیں۔ایک شعر بابند میں یکساں طور پر جمع ہوتے ہیں۔اس حوالے سے ڈاکٹر مزمل حسین کہتے ہیں:

''علم بدیع کی اصطلاح میں صنف تکرار اس صنف کو کہتے ہیں۔جس کے تحت مصرعے میں کسی لفظ کو تاکید یا زور دینے کے انداز میں تکرار لایا جائے۔''(۹)

دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں جب کسی شعر کے مصرع میں کوئی لفظ بار بار دہرایا جائے۔اس صنف کے استعمال کے لیے خاص مہارت کی ضرورت ہے۔معظّمہ نقوی نے اپنے کلام صنف تکرار کا احسن طریقہ سے استعمال کیا۔اشعار ملاحظہ ہوں:

میں نے جاں واردی تجھ پہ جاناں

اور تیرے نام کا چرچا کر کے
کوچے کوچے میں ہوگئی بد نام
ہر تمنا میری ہوئی نا کام۔۔۔۔۔

(۱۰)

معظّمہ نقوی نے اپنے بہت سے کلام اور نظموں میں تکراری الفاظ کو استعمال کیا۔ انہوں نے کلام میں دلکشی اور خوبصورتی تکراری الفاظ کاٹ سے پیدا کی۔ ایک اور اشعار ملاحظہ ہے۔

کم کم کچھ حوال سنا کر مجھ کو حیران کر دیتا ہے
مجھ کو معلوم ہے ساجن
تو آکاش کا ماہ کامل
میں اک مدھم مدھم تارا
ٹوٹ کے اترا جو دھرتی پر۔۔۔۔

(۱۱)

استعارہ کا لفظی مطلب ادھار لینا یا عارضی طور پر مانگنے کے ہیں۔ یعنی لفظ کو مجازی معنوں میں استعمال کرنا اس کی حقیقی معنی کا اس کے فرضی معنی سے تشبیہ کا تعلق قائم کرتا ہے۔ تو اسے استفادہ کہتے ہیں۔ استعارہ عربی زبان سے اسم مشتق ہے۔ اردو میں اسم کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر اشرف کمال:

''کسی شے کے لوازمات اور خصوصیات کو کسی دوسری شے سے منسوب کرنا استعارہ کہلاتا ہے۔'' (۱۲)

استعارہ کی خوبصورتی تخیل کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتی ہے۔ استعارہ سے اظہار بیان میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے سے کلام میں معنویت اور گہرائی پیدا کی جاتی ہے۔ نہ صرف شاعری میں اسے بیان کرتے ہیں بلکہ دیگر اصاف جیسے افسانہ ناول، ڈرامہ میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔

شاعر اپنے تجربہ کا اظہار کرتا ہے۔ شاعر اسے شعر میں زیست اور ظاہری آرائش و عمل کے لیے استعمال کرتا ہے۔ شاعر کے لیے اہمیت رکھتا ہے کہ وہ اسے اپنے جذبات اور تخیل کا حصے بنائے۔ معظّمہ نقوی نے اپنی نظموں میں اشعارے کا استعال کیا۔ اشعار ملاحظہ ہیں:

دن کی گہری سی دید کو چھوتے
ایک سرخی سی اتر آئی ہے
گویا نیلے گگن کی جھولی میں
نرمی آفتاب سمٹی ہے

ہجر کی برف برف دھرتی پر
سرخ کرنوں کا رقص جاری ہے۔۔۔
(۱۳)

معظّمہ نقوی کی شاعری میں جہاں استعارہ کا استعمال ہوا وہاں تشبیہات کا ذکر بھی ملتا ہے۔شاعری میں تشبیہات کا موثر انداز سے استعمال کیا گیا ہے۔ان کے کلام میں تشبیہ کی مثالیں ملتی ہیں۔معظّمہ نقوی نے اردو شعری روایات سے استفادہ کیا ہے۔روایتی کے ساتھ ساتھ ان کے ہاں انفرادی مثالیں بھی ملتی ہیں۔تشبیہات کا استعمال شاعری کو زیادہ موثر اور قابل فہم بناتا ہے۔اردو ادب میں بہت سے تشبیہات ہیں جو ہر دور میں استعمال ہو رہی ہے۔اور نئی تصویریں تشکیل دی گئی ہیں۔معظّمہ نقوی نے استعارہ اور تشبیہ دونوں صورتوں کو اپنی شاعری میں بیان کیا ہے۔تشبیہ کے حوالے سے اشعار ملاحظہ ہیں۔

اس جیسا ہے کون سہارا
اُس کے سارے ماں کہتے ہیں
رب کے جیسا روپ ہے وہ تو
سرما کی سی دھوپ ہے وہ تو
(۱۴)

ہم آوار الفاظ کو قافیہ کہتے ہیں۔قافیہ لفظ قفو سے نکلا ہے۔جس کے لغوی معنی ''پیچھے آنے والے'' کے ہیں۔قافیہ کا دخل شاعری میں سب سے زیادہ ہے۔اگر شاعری میں سے قافیہ نکال دیا جائے تو شاعری کے اندر کچھ بھی نہیں بچتا۔قافیہ میں آواز کی یکسانیت ہم آہنگی ہے۔اس بنا پر نظم کی تکمیل میں یک رنگی پیدا ہو جاتی ہے۔پروفیسر انور جمال قافیے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''شعر میں ردیف سے پہلے جو الفاظ صوتی آہنگ پیدا کرتا ہے اسے قافیہ کہتے ہیں۔''(۱۵)

اردو ادب میں قافیہ اسے کہتے ہیں جو شعروں کے لفظوں کے ساتھ غیر مسلسل طور پر آخر میں بار بار آتا ہے۔قافیہ شعر کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔اور ردیف قافیہ کے بعد کے میں آتا ہے۔تمام مصرعوں میں یکساں ہوتا ہے۔قافیہ کا استعمال لازم وملزوم کیا جاتا ہے۔معظّمہ نقوی نے بھی اپنی نظموں میں قافیہ کا استعمال کیا۔اُن کی نظم ''تحفہ'' کے اشعار ملاخطہ ہیں۔

بے قیمت ہے چاہت لوگو!
سب کے لیے جو راحت لوگو!
جنت جس کے پاؤں تلے ہے
ٹھنڈک جس کی چھاؤں سے ہے
(۱۶)

اس شعر کے چاروں مصرعوں میں قافیہ کا استعمال کیا ہے۔معظّمہ نقوی نے اپنی نظموں میں قافیہ کا ستعمال بہت جگہ پر کیا ہے۔

جس کی وجہ سے ان کی نظموں میں خوبصورتی بڑھ جاتی ہے۔ان کی اور ایک نظم جس میں قافیہ کا استعمال جا بجا کیا ہے۔I want him کے اشعار ملاحظہ ہیں:

تیری گرد آلود آنکھوں کو بھیگی پلکوں سے دیکھا ہے
کرتا ہے تو جب بھی باتیں ہر ایک بات چھپا لیتا ہے
لہجہ مدھم کر لیتا ہے--------

(۱۷)

معظّمہ نقوی نے اپنے شاعری میں حقیقت کو بھی بیان کیا۔انہوں نے اپنی شاعری میں معاشرے کے تلخ حقائق کو بیان کیا ہے۔اور معاشرے کی بہترین عکاسی کی۔حقیقت نگاری میں دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کیا۔انہوں نے اپنی نظم ''رفتگاں'' میں حقیقت نگاری کو بیان کیا۔

سارے انسان گزر جاتے ہیں
گویا مہمان گزر جاتے ہیں
عہد حاضر کو چھوڑ نے نقوی
ہستیاں وہ جو کوچ کر جائیں
وہ کبھی لوٹ کر نہیں آتیں

(۱۸)

معظّمہ نقوی اپنی اسی نظم میں دنیا سے کوچ کر جانے والے لوگوں کا ذکر کیا۔اور حقیقت نگاری میں بیان کیا۔دنیا کی سب سے بڑی حقیقت ہی یہ ہے کہ دنیا فانی سے ہر کسی نے یہاں سے کوچ کر جانا ہے۔جو لوگ اس دنیا سے چلے جاتے ہیں وہ کبھی لوٹ کر نہیں آتے۔یہ دنیا کی بے ثباتی ہے۔

شاعر کا کام ہوتا ہے کہ زندگی کے ٹھوس حقائق حالات و واقعات کو حقیقت پسندی کے تحت بیان کرتا ہے۔اور حقیقت کو قبول کرتا ہے۔زندگی کے حقائق کو اپنی شاعری میں بیان کرتا ہے۔قاری پر حقیقت عیاں ہو جائے اور اس کی حقیقت کو قبول کرے۔ابو الاحفیظ صدیقی حقیقت پسند شاعر کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

''حقیقت پسند ادیب تخیل پر امر واقعہ کو ترجیح دیتا ہے۔وہ زندگی کو رنگین تشبیہوں میں دیکھنے کی بجائے اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے۔اور اس کی کوشش ہوتی ہے جو اسے جوں کا توں بیان کردے۔''(۱۹)

معظّمہ نقوی نے اپنی شاعری میں موسیقیت کو بھی موضوع بنایا۔انہوں نے اپنی نظموں میں موسیقیت کا استعمال کیا۔موسیقیت سے کلام میں خوبصورتی اور حسن پیدا ہوتا ہے۔موسیقیت میں شعراء اشعار اس طرح سے کہتے ہیں۔جو ترنم کے ساتھ بیان کئے جاتے ہیں۔ان کی نظم ''محبت کبھی مرتی نہیں'' کے اشعار ملاحظہ ہیں:

مہکتی ہے پر خوشبو کی طرح
بکھرتی ہے یہ پھولوں کی طرح
ٹپکتی ہے یہ اوس قطروں کی مانند
کبھی گرج کے برستی ہے ساون کی طرح
دوڑتی ہے رگوں میں لہو کی طرح
دلوں سے کبھی پر اترتی نہیں
محبت کبھی مرتی نہیں۔۔۔۔

(۲۰)

انہوں نے اپنے کلام میں موسقیت کو خاص اہمیت دی۔ شاعری میں جس طرح پیکر تراشی یا مصوری ضروری ہے اسی طرح موسیقی اور ترنم بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر شعر میں دلکشی نہیں پیدا ہوتی۔

معظّمہ نقوی نے اپنی نظموں میں تصوف کو بیان کیا۔ تصوف سے مراد اپنی تمام تر خواہشات کو رد کر کے عشق حقیقی کو پانے کی جستجو اور کوشش کرتا ہے۔ تصوف کا پہلو ہر دور کے شعراء میں ملتا ہے۔ جدید دور میں بھی تصوف کا پہلو نمایاں ہے۔ انہوں نے تصوف کے پہلو کو شاعری میں سمو دیا۔ بقول ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی:

''تصوف قلب انسانی کی ایک حقیقت کا نام ہے وہ سرتاپا ذوق ووجدان ہے۔ اس لیے اس کی کوئی منطقی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ اس کی حقیقت بیان کرتے ہیں ہماری بہتر۔ عبارتیں اور فصیح ترین ترکیبات الفاظ تشبیہ تکمیل رہ جاتی ہیں۔'' (۲۱)

ان کی نظموں میں تصوف کا پہلو خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے ہاں ہر موضوع ان کا ذاتی نہیں بلکہ بطور پہلو اسے شاعری میں بیان کیا ہے۔ شاعری میں تصوف کا پہلو شعراء کے ہاں اس وجہ سے بھی ملتا ہے۔ کیونکہ ان کا لگاؤ خود خدا کی ذات کی طرح اور کائنات کے مظاہرہ کی تلاش میں ہوتا ہے۔ اس سے شعراء کی شاعری میں تصوف کا پہلو ملتا ہے۔ عشق مجازی اور عشق حقیقی دونوں کو شاعری میں بیان کرتے ہیں۔ تصوف میں عشق حقیقی کو زیادہ بیان کیا گیا ہے۔ تصوف میں خدا کی واحد ذات سے عشق کا اظہار نمایاں ہے۔ خدا اس کی ذات کی محبت اور عقیدت کے لئے خود کو اس کی راہ میں گم کر لیتا ہے۔ اور اس میں خدا کی ذات کی محنت کو پانے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ اس حوالے اس کی نظم ''حمد'' کے اشعار دیکھیں۔

اے مالک ارض سماء
اے مالک کن مکاں
حمد میں میری بھلا کب
کر سکتی ہوں بیان

نہیں تیرا کوئی مکاں
تو ہے وارث کل جہاں
اسم میں تیرے
سب جلیل وقدیر
العلی وعظم
تیری ذات صراط مستقیم
تو ہے فقط الرحمٰن و الرحیم
تو ذو الجلال ہے
جہاں تک نہ پہنچا
کبھی کوئی خیال ہے
(۲۲)

اس نظم میں معظّمہ صاحبہ نے خدا کی ذات سے محبت وعشق کا اظہار کیا۔ان کی ذات ہر وقت خدا کی حمد وثناء کرنا ہے۔تصوف کا پہلوان کے ہاں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔کبھی اللہ تعالیٰ کا صفات کو بیان کرتے ہیں۔جو کل کائنات کے مالک مکاں ہیں۔معظّمہ نقوی نے خدا سے محبت کو اپنی شاعری میں بیان کیا ہے۔

ردیف کے لغوی معنی میں گھڑ سوار کے پیچھے بیٹھنے والا۔شعری اصطلاح میں ردیف سے مراد وہ الفاظ یا الفاظ کا مجموعہ جو قافیہ کے بعد مکرر آئیں اور بالکل یکساں ہوں۔ردیف ہر مصرعے میں ہونا لازم نہیں عام طور پر غزل کے اشعار میں مصرعے ثانی میں دہرائے جاتے ہیں۔معظّمہ بتول نے بھی اپنی نظموں میں رریف کا استعمال کیا۔ان کی نظم ''وائے'' کے اشعار ملاحظہ ہیں۔

وہ جو احساس دل میں رکھتے ہیں
لوگ ان کو بہت ستاتے ہیں
ان کو ہر لحظہ آزماتے ہیں
ہر قدم پر انھیں رلاتے ہیں۔۔۔
(۲۳)

نقوی صاحبہ نے بہت سے اشعار میں کمال کی منظر نگاری کی ہے۔ پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم وہ مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔انہوں نے اپنی شاعری کو منظر نگاری میں بہت اہمت دی۔انہوں نے جس طرح منظر کو دیکھا ہو بہو اسی طرح منظر کو بیان کر دیا۔اِن کو منظر نگاری پر عبور حامل ہے۔انہوں نے منظر کو جزئیات کے ساتھ بیان کیا۔جزئیات کی وجہ سے منظر کی تصویر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتی ہے۔ڈاکٹر حامداللہ ندوی لکھتے ہیں:

''منظر کشی کا مطلب ہے شاعری میں مختلف نظاروں کا بیان اس طرح کرے کہ اس کی ہو بہو تصویر ہماری آنکھوں ہی بھر جائے۔''(۲۴)

معظّمہ صاحبہ کو منظر نگاری پر کمال حاصل ہے۔ ان کی منتظر نگاری اس طرح ہے کہ ان کی شاعری کو پڑھتے ہیں تو منظر کے ساتھ جذبات کی شدت محسوس ہوتی ہے۔ ہمیں اتنی طرح نظر آتا ہے۔ اچھا منظر اچھا تاثر دیتا ہے اور برا منظر برا تاثر دیتا ہے۔ ان کی نظم ''بسنت'' ہمیں پڑھنے سے بھی اور اس کے نام سے بھی ایسا تاثر ملتا ہے۔ جس میں زندگی کے مختلف رنگ ہوں۔ ان کی نظم کے اشعار ملاخطہ ہیں:

اے میرے پر دیسی ساجن
دیکھو بہار لوٹ آئی ہے
ہر پھول مسکرایا ہے ہر کلی مسکرائی ہے
کنول نے تالاب میں لی انگڑ ائی ہے
پرندے کہتے ہیں کہ بہار آئی ہے
ہمارے دیس میں بسنت نے دھوم مچائی ہے
سرسوں کے پیلے بھول لہرا رہے ہیں کیتھوں میں
جنگل میں بھی ہر یالی آئی ہے۔۔۔۔۔۔

(۲۵)

ان کی نظمیں فطرت کی عکامی کرتی ہیں۔ فطرت نگاری ان کے کلام کی نمایاں خصوصیت ہے۔ فطرت شاعری میں دلکشی کا باعث بنتی ہے۔ کلام میں رعنائی پیدا ہوتی ہے۔ قدرت کے بارے میں ''انور جمال'' لکھتے ہیں:

''فطرت بطور اصطلاح کئی علوم پر مشتمل ہے ادب میں یہ اصطلاح کی معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ زمین و آسمان اور ان کے مابین جو مظاہرہ ہے انسان کی ذات کے جلوہ ریز ہیں وہ فطرت کہلاتے ہیں۔''(۲۶)

معظّمہ نقوی کی کئی نظمیں فطرت کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان کی نظموں میں تیز ہوائیں، بیٹر، ساون، بسنت کا بیان ملتا ہے۔ یہ تمام عناصر فطرت کی عکاسی کرتے ہیں۔ فطرت کی عکاسی سے ان کی شاعری میں ایک خوبصورت تاثر ملتا ہے۔ اس حوالے سے ان کی نظم ''تمنائے وصل'' کے اشعار ملاحظہ ہیں:

سرد ہوا کے جھو نکے دل میں، لینے آئیں جب انگڑائی
ابر کی شوخی جب آجائے ازمانوں میں
لہرا کر جب پیڑ چمن میں
چاہت کی ایک سر گم چھیڑیں۔۔۔۔

(۲۷)

اس میں تیز اور سرد ہوا کے جھونکیں فطرت کی عکاسی ہوتی کر رہی ہیں ۔جس نے مظاہرہ کائنات کی عکاسی ہوتی ہے۔انھوں نے فطرت کی عکاسی اپنی شاعری میں بھرپور انداز سے کی ہے۔جس سے ان کے کلام میں دلکشی پیدا ہوتی ہے۔اور کلام میں فطرت کے مناظر کا بیان دلکشی سے کیا جائے تو شاعری مزید نکھر جاتی ہے۔ بقول ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم:

''فطرت انفرادیت پسند ہے لیکن کثرت آفرین ہونے کے باوجود چونکہ فطرت ایک حقیقت و مدنی ہے اس لیے تنوع کے اندر وحدت بھی جلوہ گر رہتی ہے۔''(۲۸)

معظّمہ کی شاعری میں انتظار کی کیفیت بھی ملتی ہے۔انتظار خواہ کسی چیز کا ہو یا شخص کا بہت مشکل ہوتا ہے۔اس لیے کہا جاتا ہے کہ انتظار موت سے زیادہ سخت ہے۔اس انتظار کے لمحات کی اذیت تو کوئی عاشق سے پوچھے۔بعض اوقات انتظار کی کیفیت خوشگوار موسموں اور حسین نظاروں کو بھی دلا دیتی ہے۔اور یہ حسین مناظر دکھ والم کی تصویر بن جاتا ہے۔انتظار کی عکاسی معظّمہ نقوی کے ہاں بھی ملتی ہے۔ان کے ہاں انتظار کی تلخیاں نظر آتی ہیں۔ان کی نظم ''منتظر نگاہیں'' کے اشعار ملاحظہ ہیں:

پوچھو مت میری زندگی کا حال
میرے ارمان اور میری زلفیں پر شان ہیں
میری سونی سونی باہیں تمھاری منتظر ہیں!
میری نگاہیں تمھاری منتظر ہیں!

(۲۹)

معظّمہ نے اپنی شاعری میں ایسی زبان کا استعمال کیا۔جو کہ دور حاضر کے ناقدین کو متاثر کرتی ہے۔انہوں نے اپنی شاعری میں ایسی زبان کو استعمال کیا۔جس کو پڑھ کر سب کچھ بڑی خوبصورتی سے پردہ تصور میں آنے لگتا ہے۔ان کی نظموں میں زبان و بیان کی بہت سی خوبیاں موجود ہیں۔ان کی نظموں میں زبان و بیان کے رنگ نمایاں ہیں۔کیونکہ کسی بھی کلام میں زبان و بیان کا بڑا عمل دخل ہے۔بقول دانتے:

''زبان کا مسئلہ ہر شاعری کے لیے خواہ اطالوی ہو یا فرانسیسی، یونانی ہو یا انگریزی بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ادب میں ایک مخصوص زبان استعمال ہونی چاہیے لیکن اکھڑنا، تراشیدہ اور دیہاتی زبان استعمال نہیں کرنی چاہیے۔ Devulgai Eloqui بھی گنوروں کی زبان سے پرہیز کیا جائے۔''(۳۰)

ان کی نظموں کا لب ولہجہ بہت ہی منفرد اور سادہ ہے۔ان کی نظموں میں کسی کم کی بناوٹ نظر نہیں آتی۔انہوں نے سادہ زبان کا استعمال کیا۔

معظّمہ نے اپنی شاعری میں ایسی زبان کا استعمال کیا کہ قاری کو بڑھ کر سب کچھ خوبصورتی سے تصور میں آنے لگتا ہے۔ان کی نظموں میں زبان و بیان کی بہت سی خوبیاں موجود ہیں۔انہوں نے الفاظ کو بہت ہی سادہ انداز میں بیان کیا۔کچھ اشعار ملاحظہ

ہیں:

عجیب ہے محبت کا رشتہ تجھ سے
میری زندگی کا واسطہ تجھ سے
(۳۱)

آؤ مل کر کریں عہد سچا کوئی
ہم وفا کا نبھائیں گے مل کر بھرم
(۳۲)

معظّمہ نقوی کے ہاں بھی سراپا نگاری مختلف پہلوؤں میں ملتی ہے۔ یہ ان کی شاعری کی نمایاں خصوصیت ہے۔انہوں نے اپنی شاعری میں سراپا نگاری کونہایت منفرد انداز میں بیان کیا۔شعر ملاحظہ فرمائیں:

وہ اپنی رنگت میں گندمی تھی
پر اس کا چہرہ حسین تر تھا
سنہرے سپنوں کی اس کی آنکھوں میں تازگی تھی
جو اپنے آنچل کو چومتی تھیں
(۳۳)

معظّمہ نقوی نے اس شعر میں محبوب کے حسن کی ایک تصویر بناتی ہے۔تو کہیں وہ سراپا حسن کی تعریف کرتی ہے۔ان کی نظموں میں ترتیب تفصیل اورروانی پائی جاتی ہے۔وہ سراپا نگاری کے عمل میں تفصیل سے زیادہ رعائیت سے کام لیتی ہیں۔محمود افتخار اس حوالے سے لکھتے ہیں:

سراپا نگاری حسن و جمال کی خارجی مظاہر مبنی پر تجربہ کا نام ہے۔اس کا تعلق حواس خمسہ سے ہے جس کا وجود بھی ہوتا ہے۔''(۳۴)

معظّمہ نے اپنی شاعری میں استفہامیہ انداز کوبھی اپنایا۔ان کا یہ انداز ان کے کلام کواور بھی زیادہ نکھارتا ہے۔انہوں نے اپنے کلام میں استفہامیہ انداز کواتنی خوبصورتی کے ساتھ شامل کیا کہ قاری کوکلام پڑھتے ہوئے ایک گہری سوچ گھیر لیتی ہے۔اس سے کلام میں روانی اورخوبصورتی بڑھتی ہے۔معظّمہ نے اپنی شاعری میں استفہامیہ انداز کو بہت ہی نفیس طریقے سے شامل کیا۔وہ لفظوں پر قدرت رکھتی ہے۔اس لیے وہ لفظوں کو جوڑ کر شعر تخلیق کرتی ہیں۔معظّمہ نقوی کولفظوں پر قدرت حاصل ہے۔معظّمہ نے اپنے استفہامیہ انداز کو یوں بیان کیا۔

آنکھوں میں آنسو کیوں اتر آتے ہیں؟
نا جانے آج وہ مجھ کو بے ساختہ کیوں یاد آئے ہیں؟

(۳۵)

معظّمہ نقوی نے اپنی نظموں میں متضاد الفاظ کا بھی استعمال کیا۔ ایسے الفاظ جو ایک دوسرے کے بعد استعمال ہوتے ہوں۔ جن کے معنی ایک دوسرے سے الٹ ہوں متضاد الفاظ کہلاتے ہیں۔ یعنی صبح شام۔ دن رات، اچھا برا وغیرہ متضاد الفاظ کہلاتے ہیں۔ متضاد الفاظ کلام میں مزید رعنائی اور حسن پیدا کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے کلام میں تاثر اور خوبصورتی بڑھ جاتی ہے۔ متضاد الفاظ اشیا کا مقابلہ و موازنہ اور ان کی ماہیت کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ متضاد الفاظ کی مدد سے کبھی سنجیدہ اور کبھی غیر سنجیدہ صورت حال پیدا ہوتی ہے۔ اس سے کلام کے تاثر اور تقسیم موت میں بے شمار اضافہ ہوتا ہے۔ معظّمہ نے بھی اپنی نظموں میں متضاد الفاظ کا استعمال کیا۔ ان کی نظم ''اداس رہتی ہوں'' کے اشعار ملاحظہ ہیں:

روشنی سنورتی ہے روشنی پگھلتی ہے۔
اور دن نکلتا ہے اور شام ڈھلتی ہے

(۳۶)

انھوں نے اپنی شاعری میں بے شمار متضاد الفاظ کا استعمال کیا۔ جس میں تیرا میرا، دن رات وغیرہ آتے ہیں۔ اس سے کلام میں دلکشی بڑھ جاتی ہے۔ اور قاری پر بھی گہرا تاثر پیدا ہوتا ہے۔ ان نے اپنی شاعری میں مختلف الفاظ کو بیان کیا ہے۔ ان کی نظم ''تمنائے وصل'' میں بھی متضاد الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔

پھولوں کی خوشبو جب اترے تیرے میرے جسم کے اندر
تیری سانس میری سانس میں ڈھل جائے

(۳۷)

جذبات احساسات کی ہی شکل ہے۔ جس کے معنی دل کا جوش ہے۔ جذبات ہمارے ترقی یافتہ ذہنوں یعنی ہر انسان کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ جذبات انسان کے اندر پیدائشی ہوتے ہیں جو خود بہ خود کام کرنے لگتے ہیں۔ شعر میں جذبات کو قابو کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی مکمل عکاسی کرنے کو جذبات نگاری کہتے ہیں۔ شعر میں خدمات کے اظہار سے قاری کو دلی طور پر تسکین پہنچتی ہے۔

نظم میں جذبات نگاری کو پیدا کرنے کا مقصد قاری کے ذہین میں وہ کیفیات پیدا کرنا ہوتی ہیں۔ جو سکون اور تسکین کا باعث بنے۔ اس میں غم اور خوشی کے احساسات کو بیان کیا جاتا ہے۔ معظّمہ نے بھی اپنی شاعری میں جذبات کو بیان کیا۔ ان کی نظم ''مڈنائٹ'' کے اشعار ملاحظہ ہیں:

وہ بھی دسمبر کی
مڈ نائٹ
یہ بھی دسمبر کی
مڈ نائٹ

اُس رات تھے ہم رو برو
محو گفتگو ----

(۳۸)

کسی بھی شخص کے لیے اپنے جذبات واحساسات اور مشاہدات وتجربات کی عکاسی کا اصل نام شاعری ہے۔معظّمہ نے بھی اپنی شاعری میں جذبات کو بھرپور بیان کیا۔ان کی شاعری کسی بھی انسان کی اندرونی کیفیات کی تحریر بن سکتی ہے۔انہوں نے جذبات اور احساسات کو اس گہرائی کے ساتھ بیان کیا کہ قاری کے دل میں اتر جاتی ہے۔ جزبات نگاری کے حوالے سے احسن فاروقی لکھتے ہیں:

''فن کار جذبات کو ایک خاص قانو کے ساتھ پیش کرتا ہے۔جس کا اثر ہوتا ہے کہ اس فن پارے سے سامعین کے جذبات ابھرتے نہیں بلکہ ان کی تشکیل ہو جاتی ہے۔''(۳۹)

معظّمہ نے اپنی نظموں میں تخلص کو بھی بیان کیا ہے۔شاعر اپنے ذاتی اور خاندانی نام کے علاوہ جو نام اپنی شاعرانہ صلاحیت اور شناخت کے لیے رکھتا ہے۔اسے تخلص کہتے ہیں۔نظم کا وہ آخری سفر جس میں شاعر اپنا تخلص بیان کرتا ہے۔اسے مقطع کہتے ہیں۔معظّمہ کی بھی ایسی نظمیں ہیں جس میں انہوں نے اپنا تخلص بیان کیا۔ان کی نظم ''آخری بارش'' کے اشعار ملاحظہ ہیں:

آج تک بیٹھی تڑپتی حسرتوں کی سیج پر
منتظر نقوی ہے سانسوں کی سلگتی رگ پر

(۴۰)

جزائیات نگاری میں کسی بھی واقعے کو بیان کرتے ہوئے نہایت معمولی سے معمولی باتوں کو مدنظر رکھنا جزائیات نگاری کہلاتا ہے۔جزائیات نگاری میں ہر چھوی سے چھوٹی بات یا چیز کو بھی تفصیل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے جس سے قاری کے سامنے پورا منظر پیش ہو جاتا ہے۔شاعر کی کائناتی مطالعہ قدر گہرائی میں ہوتا ہے۔پھر اسی طرح وہ جزائیات کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

معظّمہ نقوی جرائیات نگاری کے فن کا بہترین نمونہ ہے۔انہوں نے سراپا نگاری،تصویر کشی،منظر کشی تمام جگھوں پر جزائیات نگاری کو نظرانداز نہیں کا۔معظّمہ کی نظموں میں جزائیات نگاری کے عمدہ نمونے کثرت سے ملتے ہیں۔ان کی زیارہ تر جرائیات نگاری فطرت سے ملتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی منظر کشی میں جزائیات نگاری کا استعمال کثرت سے ہوا ہے۔ان کی نظم ''مال روڈ'' کے اشعار ملاحظہ ہیں:

دور جاتی سڑک
آدھی رات کا منظر
سنہری رنگت کی روشنیاں
پر وانوں کا رقص

گگن پر تارے
پچھلی رات کا چاند
ساون کی مست یون ---
(۴۱)

کسی بھی غزل، قصیدے یا نظم میں سے پہلے شعر کو مطلع کہتے ہیں۔ جس میں شاعر دونوں مصرعوں میں ردیف اور قافیے سے کام لیتا ہے۔ دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ عام طور پر نظم میں پہلے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ مطلع عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی طلوع ہونے کے ہیں۔ نظم کا مطلع ہم وزن، ہم قافیہ، ہم ردیف ہوتا ہے۔ نظم میں ایک مطلع ہونا ضروری ہے۔ معظّمہ صاحبہ نے بھی اپنی نظم میں مطلع کا استعمال کیا ہے۔ ان کی نظم ''تانوان آرزو'' کے اشعار ملاحظہ ہیں:

ہر گھڑی دل میں پریشان ہیں ہم
گویا جیتے ہوئے بے جان ہیں ہم
(۴۲)

ہو کے کم ہم دہائی رہتا ہے
گویا پاگل دکھائی دیتا ہے
(۴۳)

سہل ممتنع عربی زبان کا لفظ کا مرکب ہے۔ سہل کے معنی آسان کام اور ممتنع کے معنی منع کے ہے یعنی کلام میں منع کرنے کے ہیں۔ اصطلاح میں سہل ممتنع کے معنی اپنے کلام کو لکھتے ہیں جو دیکھتے ہیں آسان ہو اور اسی طرح کا کہنا مشکل ہو۔ سہل ممتنع دراصل اس شعر کو کہتے ہیں جس کی نثر نہ کی جا سکے یعنی وہ اتنا آسان سادہ اور عمومی ہو کر شر کرنے کے لیے باقی ہی زر ہے۔

سہل ممتنع کا شعر زبان د بیان کے لحاظ سے سادہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کے معنی میں وسعت اور گہرائی ہوتی ہے۔ سہل ممتنع کا شعر میں شگفتگی اور ندرت بن کا ہونا ضروری ہے۔ جس سے تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ سہل ممتنع میں شعر کہنا انتہائی مشکل ہے۔ جس سے زبان و بیان پر مکمل دسترس اور قدرت حاصل ہونی چاہیے۔ معظّمہ نقوی نے بھی اپنی نظموں سہل ممتنع کا استعمال جا بجا کیا ہے۔ ان کی نظم کے اشعار ملاحظہ ہیں:

معتبر کیسے ہو گا وفا کا سفر
مجھ سے تو دور ہے مجھ سے میں دور ہوں
(۴۴)

میں پل پل تجھ کو تکتی رہی
یہ بات الگ کہ دیکھا نہ اس روز پلٹ کر تو نے بعد

(۴۵)

سہل ممتنع کا اطلاق اسے کلام سے ہوتا ہے جو دیکھنے میں تو بہت آسان ہوتے ہیں۔لیکن اس کی نقل کرنا ممکن نہ ہو۔سہل ممتنع کلام میں حسن پیدا کرتا ہے۔اور کلام میں دلکشی اور دلفریبی پڑھ جاتی ہے۔

معظّمہ نقوی نے اپنی شاعری میں زبان زبیان کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ روانی اور تسلسل کے ساتھ پیش کیا۔انہوں نے ردیف، قافیے مطلع، مقطع تمام چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے تسلسل اور روانی کے ساتھ پیش کیا۔جس سے کلام بڑا دلکش اور خوبصورت محسوس ہوتا ہے۔انھوں نے کلام میں جذبات واحساسات کو بڑے خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا۔اس سے کلام میں تاثر پیدا ہوتا ہے۔ معظّمہ کی شاعری میں صرف جذبات ہی نہیں بلکہ تصورات وخیالات کو بھی بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا۔معظّمہ نقوی نے اپنی نظموں میں تسلسل کے ساتھ کام لیا۔روانی اور تسلسل کلام میں خوبصورتی بڑھ دینے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ان کا تسلسل ٹوتنے نہیں پاتا۔اشعار ملاحظہ ہیں:

وہ جب G o s s i p
کرتا ---
کچھ مبہم سے لفظوں میں
محبت اپنی ظاہر کرتا
اُسے بھی ’’شاید‘‘
محبت تھی مجھ سے!

(۴۶)

اپنی سانسوں کے ہر تار میں
مجھے سنائی وہ دتیا ہے
اس کرب میں
اس ملن میں
کتنا قرار ہے--

(۴۷)

مجموعی طور پر معظّمہ نقوی کی شاعری کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اسلوب نہایت ہی سادہ ہے۔انہوں نے عام فہم اور سادگی بیان کیا۔انہوں نے نظموں میں تشبیہات، استعارات، تلمیح، تکرار الفاظ، زبان وبیان، خود کلامی، اور نیا رنگ وروپ پیدا کرتی ہیں۔انہوں نے ایک حقیقت پسندانہ شاعرہ کی حیثیت سے قلم کا جادو جگا کر جدید شاعری میں اپنا لوہا منوایا ہے۔شعری مجموعہ آخری بارش کے فنی جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا فن عروج پر ہے۔وہ تمام فنی لوازمات کو کس قدر خوبی اور تو بصورتی

سے اپنی نظموں میں پرو دیتی ہیں۔وہ اپنے خیالات وجذبات کے ذریعے فنی لوازمات کو پیش کرتی ہیں۔شاعر چونکہ اپنے خیالات قاری تک پہنچانے کے لیے مختلف انداز کو اپناتا ہے۔معظّمہ کے ہاں بھی سادہ زبان بحروں کا استعمال تشبیہ استعارا کا بیان ملتا ہے۔انہوں نے سادہ زبان اور مشکل قوافی کا استعمال کیا۔ان کے ہاں الفاظات کی بہت بڑا ذخیرہ ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ عبدالمجید، ''اردو انسائیکلوپیڈیا''، نیا ایڈیشن فیروزسنز لمٹیڈ، لاہور ۱۹۹۸ء، ص ۱۲۲

۲۔ ریاض احمد، ''تنقیدی مسائل''، یولمیر پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۱ء، ص ۱۵

۳۔ پروفیسر نصیر الدین احمد خان، ''ادبی اسلوبیات''، آفیسٹ پریس، دہلی ۱۹۹۴ء، ص ۹

۴۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، پریس فارمیس پبلی کیشنز، ڈیرہ غازی خان، ص ۳۹

۵۔ ڈاکٹر علی محمد، ''اصناف نظم''، ونثر غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۳۲

۶۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۲۹

۷۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۷۴۔۷۵

۸۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۱۷

۹۔ ڈاکٹر مزمل حسین، ''اردو میں علم بیان اور بدیع کے مباحث''، مجلس ترقی اردو ادب، لاہور ۲۰۱۰ء، ص ۳۱

۱۰۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۶۱

۱۱۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۳۱

۱۲۔ ڈاکٹر اشرف کمال، ''تنقیدی تھیوری اور اصطلاحات'' بی بی ایچ پرنٹرز، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص ۱۲۵

۱۳۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۵۸

۱۴۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۲۸

۱۵۔ پروفیسر انور جمال، ''ادبی اصطلاحات''، نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد، ۲۰۱۲ء، ص ۱۵۰

۱۶۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۲۸

۱۷۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۳۱

۱۸۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۵۷

۱۹۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، ''کشاف تنقیدی اصطلاحات''، ادارہ فروغ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۸ء، ص ۵۵

۲۰۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۳۳

۲۱۔ ڈاکٹر عبد القادر فاروقی، ''اردو شاعری اور تصوف''، (تاریخی وتنقیدی جائزہ) ابوالوفا، الا فغانی جامعہ نظامیہ، حیدر آباد، ۲۰۰۹ء، ص ۸۰

۲۲۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۲۷

۲۳۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص ۶۳

۲۴۔ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، ''اردو کی چند مثنویاں''، ماڈرن پبلیشنگ ہاؤس دہلی، ۱۹۹۳ء، ص ۹۵

۲۵۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص۴۲

۲۶۔ پروفیسر انور جمال، ''ادبی اصطلاحات''، فرمان پرنٹرز، راولپنڈی ۱۹۹۳ء، ص۱۴۳

۲۷۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص۴۵

۲۸۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ''تشبیہات رومی''، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ایڈیشن دوم، ص۵

۲۹۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص۴۰

۳۰۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، ''دانتے''، ''ارسطو سے ایلیٹ تک''، نیشنل فاونڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۹۷ء، ص۱۸

۳۱۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص۱۰۰

۳۲۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص۶۵

۳۳۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص۵۴

۳۴۔ ایضاً، ص۳۳

۳۵۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص۷۱

۳۶۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص۱۰۸

۳۷۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص۴۵

۳۸۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص۹۸

۳۹۔

۴۰۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص۱۰۶

۴۱۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص۸۲

۴۲۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص۶۲

۴۳۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص۵۵

۴۴۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص۵۰

۴۵۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص۸۵

۴۶۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص۱۰۲

۴۷۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، ص۱۰۴

باب پنجم

محاکمہ

معظّمہ نقوی کا نام اکیسویں صدی میں اردو نظم کے حوالے سے آج کے دور کا روشن چمکتا ستارا ہے۔ ۱۲ جولائی ۱۹۹۰ء میں ڈیرہ غازی خان کے شہر غازی خان میں پیدا ہوئیں۔ پچھلے کچھ عرصے سے شعر و ادب سے وابستہ ہیں۔ اوور اپنے قلم سے لفظوں کا جادو جگا رہی ہیں۔ معظّمہ نقوی ایک ایسی قلم کار ہیں جنھوں نے اپنے عزم و استقامت سے خود میں موجود شہر کو نا صرف نکھارا بلکہ دنیا کے سامنے پیش کیا اور خود کو صاحب علم کی حیثیت سے متعارف بھی کروایا۔ انتہائی کم عمری میں ہی وہ الفاظ و احساس کے ساتھ جذباتی طور پر بندھ گئی تھیں۔

ادبی دنیا میں ۲۰۱۸ء میں متعارف ہوئی۔ ۲۰۱۹ء فروری میں پہلا انتخاب ''کف دست'' کو ترتیب دیا۔ ۲۰۲۱ء ستمبر میں مرثیہ و سلام کا انتخاب ''مودت نامہ'' تدوین کیا۔ ۲۰۱۴ء میں سے لے کر ملکی و غیر ملکی اخبارات و جرائد میں جتنی آزاد تحاریر لکھیں ان تمام کو یکجا کر کے جنوری ۲۰۲۳ء میں اپنی پہلی تصنیف ''نوائے نقوی'' منظر عام پر لے آئیں۔ یہ کتاب آزاد تخلیقات تحقیقی مضامین، کالم و تبصرہ جات پر مشتمل ہے۔

اس کے بعد انھوں نے شاعری میں آزاد نظم کو وتیرہ بنایا اور آخری بارش کی صورت میں قارئین کی نذر کی اس کے علاوہ غزل، متفرق اشعار، سلام و قطعات نیز افسانہ نگاری و سرائیکی زبان میں بھی شاعری پر کام جاری کیا۔ ڈیرہ غازی خان کی وکی پیڈیا سہٹری میں نامور شخصیات کی فہرست میں بطور شاعرہ ان کا نام درج ہو چکا ہے۔

معظّمہ کا شعری مجموعہ '' آخری بارش'' ایک خوبصورت مجموعہ ہے۔ اس مجموعے کی شریانوں میں خوبصورت ترکیبیں نظر آتی ہیں۔ مثلاً لا الہ کا معجزہ، ایمان کی جاگیر، عفنتوں کی سرزمین، سرد ہوا کی لو پر، پتھرائی ہوئی آنکھیں، دھند لگے میں سسکتی ہوئی شام، بلکتی سسکتی ناؤ، دسمبر میں بدحواسی، جسم کی مسکٹ، ماگھ کی رات، روپ نگر، ٹائٹ بلب، بارنگ چیون وغیرہ شامل ہیں۔

ان خوبصورت ترکیبات کے علاوہ انھوں نے انگریزی زبان کے کچھ لفظوں میں بھی اپنی نظموں کو متعارف کروایا۔

نظم کا آغاز دکن سے ہوا۔ نظم اردو ادب کی ایسی صنف ہے جس میں کم وقت میں شہرت اور عمدہ مقام حاصل کیا۔ اس کی شہرت کی وجہ سے شروع میں ہی اعلیٰ قسم کے شاعروں نے اپنایا۔ اردو نظم بہت سے شاعروں کے ہاتھوں پروان چڑھتی ہوئی دور جدید میں داخل ہوئی۔ معظّمہ تقوی کا شمار دور جدید کے شعراء میں ہوتا ہے۔ انہیں نظم نگاری پر کافی دسترس حاصل ہے۔ جنھوں نے اردو میں شاعری کی روایت کو بڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

'' آخری بارش'' ان کا بہترین سرمایہ ہے۔ انہوں نے اپنے گہرے شعور اور فکر انگیز حقیقت کی بدولت اردو میں شاعری کی صنف کو دوام بخشا۔ انہوں نے نا صرف دلکش اور شاندار نظمیں تخلیق کی بلکہ انہوں نے فنی اور فکری دونوں موضوعاتی لحاظ سے نظموں کی تشکیل کا بھی گہرائی سے مطالعہ کیا۔

'' آخری بارش'' ان کا ایسا فن پارہ ہے۔ جس میں زندگی حقیقی انداز میں چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ ان کی نظموں کے موضوعات میں طنز، ماضی کی باریں، معاشرتی سائل، تصوف، ذرت کی شناخت، زندگی سے فرار، معاشرتی برانیاں، اور دیگر موضوعات کو

اپنی شاعری کے ذریعے بیان کیا۔ان کی نظموں کے موضوعات حقیقی دنیا سے وابستہ ہیں۔

ان کی نظموں کے اسلوب میں طنزیہ انداز بھی پایا جاتا ہے۔انہوں نے سماجی ریوں اور سماجی مسائل کو اپنے تجربات کے ذریعے پرکھا۔انہوں نے اپنی نظموں میں امید کے پہلو کو بھی بیان کیا۔اگر کسی شخص پر کوئی مشکل آجاتی ہے تو انسان ناامید ہو جاتا ہے۔ اسے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔امید کا دامن قائم رکھنا چاہیے۔انہوں نے اپنی نظموں میں وطن سے والہانہ محبت کا اظہار کیا۔ انہوں نے اپنے وطن کی عظمت کے گیت لکھ کر دلفری سے اظہار محبت کیا ہے۔وطن کی محنت انسان کے ایمان کا حصہ ہے۔ایک جب وطن کو ایسا ہونا چاہیے کے وہ اپنے وطن کے لیے اپنی جان تک قربان کردے اس کی خوشحالی اور ترقی کے لیے کوشاں رہے۔

انہوں نے اپنی شاعری میں بے رخی کا موضوع بھی اپنایا۔ان کی نظموں میں جا بجا بے رخی اور اداسی کے موضوع نمایاں ہیں۔ ہر شاعر کو فطرت سے گہرا لگاؤ ہونا ہے۔فطرت کے قریب شاعری انسانی دل و دماغ پر گہرا تاثر چھوڑتی ہے۔معظّمہ نقوی کو فطرت سے محبت اور فطرت سے لگاؤ ہے۔یہ سب اان کی نظموں میں نظر آتا ہے۔ان کی نظموں انتظار کی تلخی کی کیفیت بھی ملتی ہے۔بعض اوقات انتظار کی یہ کیفیت خوشگوار موسموں اور حسین نظاروں کو بھی دلا دیتی ہے۔یہ حسین مناظر دکھ والم کی تصویر بن جاتے ہیں۔اسی انتظار کی عکاسی معظّمہ کے ہاں بھی ملتی ہے۔

معظّمہ نقوی جدید دور کی عمدہ نظم گو شاعرہ ہیں۔شاعر اپنے حقیقی واقعات اور فکری پہلوؤں کے بیان کو انتہائی فنکارانہ انداز میں نظم کے قالب میں ڈھال دیتا ہے۔شاعری نے تمثیل کی خوبصورت اور انوکھی مثالیں دی ہیں۔شاعری کہنے والے کے دل میں خوشگوار تاثر چھوڑی ہے۔اور چلنے پھرنے انسانی روپ اختیار کر لیتی ہے۔یہ ان کے فن کا شاہکار ہے جسے انہوں اپنی نظموں میں کامیابی سے نبھایا۔نئے الفاظ،معنی و مفاہیم،نئی علامتیں،منفرد استعارا،یکساں تراکیب،تصویر کشی نے اردو شاعری کو ترقی دی۔

ان کی نظموں کا فنی جائزہ لیا جائے تو انہوں نے سادہ زبان کا استعمال کیا۔ان کی نظموں میں خدمات کا عنصر نمایاں ہے۔ جذبات اور احساسات سے ماحول کی عکاسی کرتی ہیں۔ان کی نظموں کی نمایاں خوبی زبان اور ان کا اسلوب ہے۔وہ شاعری میں اپنے اسلوب کی بدولت جدید شعراء میں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔۔انہوں نے اپنی نظموں میں معنوی زبان اور معنوی اسلوب کی بجائے عام فہم زبان کا استعمال کیا۔انہوں نے اپنی نظموں میں الفاظ کا مناسب استعمال اور موزوں اور برمحل استعمال کیا۔

ان کی نظموں میں تلمیح،تکرار الفاظ جذبات نگاری،تشبیہ و استعارات، کا استعمال کیا گیا ہے۔انہوں نے انسانی حقائق کی تصویر کشی کی۔ان کے ہاں جزئیات نگاری بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ایک اچھے شاعر کی خوبی ہے کہ وہ جزئیات سے کام لیتا ہے۔ان کی میں فطرت کی عکاسی کر کے نظموں کا حسن دوبالا ہوا ہے۔ان کے ہاں نظموں میں مناظر خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔انھوں نے حقیقت نگاری کے ساتھ مسائل کو بھی پیش کیا۔

معظّمہ کی شاعری میں غم کا عنصر بھی ملتا ہے۔ہر شام غم ناامیدی کا شکار ہوتی ہے۔ان کی نظموں میں اداسی کو وسیع معنوں میں استعمال کیا۔۔ہجر کو بھی خوبصورت الفاظ اور انداز میں بیان ہے۔

معظّمہ کی نظموں میں رومانیت کا عنصر بھی جا بجا ملتا ہے۔جس میں اللہ پاک سے عقیدت کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔ان کی

نظموں میں عقیدت اوراللہ تعالیٰ سے محبت کا اظہار بڑی خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ان کی نظموں میں ماں سے محبت کا بھی بیان کیا گیا ہے۔ان کی نظموں سے جذبات کواس طرح بیان کیا گیا ہے جس سے دیکھنے والا حیرت میں قبلہ ہو جائے۔ایسی بات ظاہر کرتی ہیں جو بظاہر تو سادہ ہو لیکن مگراس کے پیچھے شاعر کے جذبات ،مشاہدات اوراحساسات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔معظّمہ نے اپنی نظموں میں محبوب کا تصورروایتی قسم کا نہیں یہ تصور منفرد انداز سے ان کی شاعری میں ابھرتا ہے۔ان کے اشعار میں ہجر و وصال کا لطف اوراحساس خوبصورتی فنی مہارت سے پیش کیا گیا ہے۔معظّمہ نقوی نے اپنی نظموں میں سراپا نگاری کے مناظر کوبھی خوبصورت انداز میں بیان کیا۔

معظّمہ صاحبہ نے لفظ''اداسی'' کوبھی وسیع معنی میں استعمال کیا۔ان کی نظموں میں جدید عنوانات ملتے ہیں اوران کواظہار کا وسیلہ بنایا

معظّمہ نقوی صاحبہ کوکومختصراورسلیقہ مندانہ بات کہنے کافن آتا ہے۔اللہ پاک نے انہیں کلام اور بیان کی خداداد صلاحتیں عطا کی ہیں۔انہوں نے ان کے استعمال میں کمال کی فنکاری کا مظاہرہ کیا ہے۔معظّمہ نقوی کوادب میں اہم مقام حاصل ہے۔معظّمہ صاحبہ ایک سمجھداراور پختہ شاعرہ ہیں۔ان کی نگاہ تخلیق اور بلندیوں پر مرکوز ہے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے توان کا شماردورحاضر کے ابھرتے ہوئے شعراء میں آتا ہے۔معظّمہ نقوی نے آزادنظم کی کی روایت کو پروان چڑھایا۔شاعری کا سب سے بڑی خوبی یہی ہوتی ہے کہ ایک عام انسان کواس طرح بے ساختگی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے کہ وہ قاری کے ذہن کواپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔معظّمہ کی آزادنظموں میں یہ کوشش بخوبی جھلک رہی ہے۔معظّمہ نقوی کی شاعری میں احساسات کا ردھم بھی شامل ہے۔ان کی نظموں کے موضوعات عام انسان کی زندگی سے قریب ہیں۔جیسے خود کلامی ،جنم دن،اجنبی ،بسنت،خواب،ذراسوچنا،شہرہ،عہدوفاوغیرہ شامل ہیں۔

معظّمہ نقوی صاحبہ لفظوں کو برتنے کا ہنر بخوبی جانتی ہیں۔ان کی آزادنظموں کا مجموعہ اس بات کی دلیل ہیں ہے کہ شاعرہ کا تعارف ان کی شخصیت کے ادبی وعلمی قد کی وضاحت کرتا ہے۔اوران علمی وادبی حلقوں میں اپنی جگہ بنا چکی ہیں اور تخلیقی سفر عمدگی سے جاری ہے۔

کتابیات

بنیادی مآخذ:

۱۔ معظّمہ نقوی، ''آخری بارش''، پریس فارمیس پبلی کیشنز، ڈیرہ غازی خان،

ثانوی مآخذ:

۱۔ انور سدید، ڈاکٹر، ''اردو ادب کی تحریکیں''، انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی، ۱۹۹۹ء

۲۔ اخلاق دیلوی، ''فن شاعری''، کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع دہلی، ۱۹۶۲ء

۳۔ انیس ناگی، ڈاکٹر، ''نیا شعری افق''، جمالیات لاہور طبع دوم، ۱۹۸۸ء

۴۔ اقبال، ''بانگ درا''، شیخ غلام اینڈ سنز، پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۰۵ء

۵۔ جمیل جالبی، ''ارسطو سے ایلیٹ تک''، نیشنل بک فاونڈیشن، لاہور، ۱۹۷۵ء

۶۔ حامداللہ ندوی، ڈاکٹر، ''اردو کی چند مثنویوں''، ماڈرن پبلیشنگ ہاوس نئی دہلی، ۱۹۹۳ء

۷۔ ریاض احمد، ''تنقیدی مسائل''، پولمیر پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء

۸۔ سنبل نگار، ''اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ''، ایجوکیشنل بک ہاوس یونیورسٹی مارکیٹ علی گڑھ، ۱۹۹۸ء

۹۔ ساحر لدھیانوی، ''تلخیاں از ساحر لدھیانوی''، یونیورسل لیتھو پولیس، ممبئی، ۱۹۲۰ء

۱۰۔ عبادت بریلوی، ''جدید شاعری''، اردو نیا، لاہور، ۱۹۴۱ء

۱۱۔ عابد علی عابد، سدید، ''البیان''، زریں آرٹ پریس، لاہور، ۱۹۸۹ء

۱۲۔ عابد علی عابد، سدید، ''اصول انتقاد ابیات''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۴۴ء

۱۳۔ عزیز حامد مدنی، ''جدید اردو شاعری'' (جلد دوم)، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۹۰ء

۱۴۔ فیض احمد فیض، ''نقش فریادی''، نیا ادارہ لاہور، ۱۹۴۱ء

۱۵۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، ''اردو شاعری کا فنی ارتقاء''، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاوس دہلی، ۱۹۹۴ء

۱۶۔ کلیم الدین احمد، ''اردو شاعری پر ایک نظر''، پک ایمپو ریلیم پٹنہ، ۱۹۵۸ء

۱۷۔ محمد حسن، ڈاکٹر، ''دہلی میں اردو شاعری کا تہذیبی وفکری پس منظر''، ادارہ تصنیف علی گڑھ، ۱۹۶۴ء

۱۸۔ مسعود حسین، پروفیسر، ''مقدمہ دیوان فائزہ''، انجمن ترقی ارداہ ہند، ۱۹۲۲ء

۱۹۔ مزمل حسین، ڈاکٹر، ''اردو میں علم بیان اور بدیع کے مباحث''، مجلس ترقی اردو ادب، لاہور، ۲۰۱۰ء

۲۰۔ وحید قریشی، ڈاکٹر، ''جدیدیت کی تلاش''، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۰ء

لغت و دائرہ معارف:

۱۔ انور جمال، ''ادبی اصطلاحات''، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء

۲۔ اشرف کمال، ڈاکٹر، ''تنقیدی تھیوری اور اصطلاحات''، بی بی ایچ پرنٹرز، لاہور، ۲۰۱۶ء

۳۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، ''کشاف تنقیدی اصطلاحات'' ادارہ فروغ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۸ء

۴۔ عبدالمجید خان، ''اردو انسائیکلو پیڈیا''، نیا ایڈیشن فیروز سنیئر لمٹیڈ لاہور، ۱۹۲۸ء

انٹرویو:

۱۔ معظّمہ نقوی سے راقم کا انٹرویو، ڈیرہ غازی خان، بذریعہ ٹیلی فون، ۹ مارچ ۲۰۲۴ء

۲۔ معظّمہ نقوی سے راقم کا انٹرویو، ڈیرہ غازی خان، بذریعہ ٹیلی فون، ۱۵ مارچ ۲۰۲۴ء

انٹرنیٹ:

1. Https;\\ur.wikipedia.org
2. Https;\\www.rekhta.org
3. Https;\\www.express.pk.org
4. Https;\\www.urdu.link.com
5. Htttps;\\www.urdweb.org
6. Https;\\www.word\urdu association